نشاۃِ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

سرپرست
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ

مدیر
سمیع الحق

پی این ایس سی کے لئے
قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ
ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟

اب جبکہ پی این ایس سی کے
جہاز دنیا کے تمام بڑے بندرگاہوں
میں پاکستان کی نمائندگی کرتے ہیں
ہم اپنی کارکردگی میں کوئی کسر نہیں
چھوڑ سکتے۔ ہمیں اپنے تمام تر وسائل
اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر قوم کو
بہتر سے بہتر خدمت فراہم کرنا ہے

اس مقصد کے حصول کیلئے ہم پوری
لگن کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ قومی
پرچم بردار جہاز راں ادارہ ہونے کے
اعزاز نے ہمیں ایک ایسا ولولہ بخشا
ہے جس نے قوم کی طرف سے عائد
کی ہوئی ذمہ داریوں کو پورا
کرنے میں ہمیں کامیاب کیا ہے۔

Paragon ● PNSC-15

(PID Islamabad)

اے۔بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۲۰
شمارہ نمبر ۸
شعبان ۱۴۰۵ھ
مئی ۱۹۸۵ء

فون نمبر
رہائش ۲
دارالعلوم ۴
الحق ۴۰

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ	۴۰/- روپے	بیرون ملک بحری ڈاک	چھ پونڈ
فی پرچہ	چار روپے	״ ״ ہوائی ڈاک	دس پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

آہ ! حضرۃ مولانا عبیداللہ انور

حیف صد حیف، کہ ایک جید عالم دین، ایک مرشد و مربّی قومی رہنما ممتاز سیاستدان وحدتِ ملت اور اتحادِ امت کے داعی علم و عمل کی ہمہ خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ قائد جانشین شیخ التفسیر مولانا عبیداللہ انور بھی ، شعبان ۱۴۰۵ھ کو ملتِ مسلمہ بالخصوص ولی اللہی مکتب فکر کو یتیم چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ ؎

بن کے اٹھتے ہی جبینِ حادثہ خود جھک گئی
ایک ساعت کیلئے نبضِ دو عالم رک گئی

مولانا عبیداللہ انور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے فرزند اور ایک ایسی متاع تھے کہ جو علوم و فنون ، درس و تدریس ، خدمتِ دین ، خدمتِ خلق ، جذبۂ حریت ، سرفروشانہ جہاد ، دین کی بالادستی ، نظامِ اسلام کے قیام و استحکام اور افکار و خیالات اور طریق عمل میں اپنے عظیم والد کے حقیقی جانشین اور چھوڑے ہوئے کاموں کے پورا کرنے والے تھے ۔

مرحوم کا شیرازۂ حیات قال اللہ وقال الرسول ، اشاعتِ غلبۂ دین اور نظام اسلام کی جامعیت کا کامل یقین اور ان کی زندگی کا خمیر اتباع سنتِ نبویہ تھا ۔ مرحوم اپنی زندگی میں صبر و استقامت کے کوہِ گراں تھے ۔

ان کی مجاہدانہ زندگی اور فکر و عمل کا تار و پود ایشیا کے عظیم علمی و روحانی مرکز دارالعلوم دیوبند میں اکابر علماء دیوبند کے فیض صحبت ، اخلاص و یقین ، طلب و تڑپ ، اور اکابر کی خصوصی شفقتوں سے بنا ابھی آنکھ کھلی تھی اور شعور کی ابتدا تھی کہ آپ کو حضرت لاہوریؒ نے تربیت و تحصیل علم کیلئے دارالعلوم دیوبند کے مشائخ اور اکابر اساتذہ کی خدمت میں بھیج دیا ۔ جب طالب علم ذہین ہو اور خدا نے اسے صلاحیت اور اعلیٰ استعداد سے نوازا ہو ۔ اور اسے لائق و فائق اساتذہ ان کی شفقتیں اور خصوصی توجہات بھی حاصل ہو جائیں تو کیا کہنا ۔ بس سونے پہ سہاگہ ۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کو اپنے وقت کے بہترین اور یگانہ روزگار اساتذہ سے شرف تلمذ

صل ہوا ، مولانا عبید اللہ سندھی اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے تو آپ منظور نظر تھے ہی، شیخ الحدیث
لانا عبد الحق صاحب مدظلہ سے بھی ان کے دار العلوم دیوبند کے زمانۂ تدریس میں چار سال تک تحصیل علم اور
مذ و استفادہ کا تعلق رہا۔ مرحوم نے آخر وقت تک استاد سے اس تعلق کو جس احسن طریقہ سے نبھایا۔ اسکی
ے جھلک مرحوم کے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے نام آخری مکتوب اور حضرت مدظلہ کے تعزیتی کلمات
ہو شریک اشاعت ہذا ہیں) سے دیکھی جا سکتی ہے ۔ بہرحال اکابر علماء دیوبند کے تعلیمات اور صحبتوں کی
ت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و عمل کے ساتھ ساتھ للہیت ، خلوص ، نظم و ضبط اور سیاست و تنظیم
جوہر قابل بھی بخشا تھا ۔ پھر مولانا عبید اللہ سندھی سے خاندانی اور حضرت لاہوری سے نسبت و لعیت
وجہ سے ان کی تعلیمات ، مجاہدے ، اولوالعزمیاں ، ایثار و قربانی ، ولولۂ حریت اور انقلابی فکر و عمل اور
ی کی شبانہ روز ریاضت و مجاہدہ کا مشاہدہ ، آپ کو ایک موروثی دولت کے طور پر ہاتھ لگ گیا جس نے
ہی کسر بھی پوری کر دی ۔ اور جب اپنے والد کی نگرانی و سرپرستی میں جمعیۃ علماء اسلام کی نفاذ اسلام
مرگرمیوں میں حصہ لیا اور حضرت لاہوریؒ جیسے عارف باللہ اور مجاہد اعظم کے قدموں میں بیٹھ کر جان بازی
رفروشی کا ایسا سبق سیکھا کہ قلیل ترین عرصے میں یہ ستارہ مجاہدہ و عرفان کا آفتاب بن گیا ۔

حضرت لاہوریؒ کی وفات کے بعد حریت فکر ، آزادیٔ ملت ، غلبۂ دین ، اعلاء کلمۃ اللہ ، جہاد فی سبیل اللہ
اہل اسلام میں ربط و تنظیم کے کام کو آپ نے شجاعت و دلیری ، جذبۂ وفاداری ، استقامت ، میدان
میں ثابت قدمی عالی ہمتی اور بے مثال جفاکشی اور مستعدی سے انجام دیا کہ بہت جلد خداداد
یت بیدار مغزی ، عالی دماغی ، فراخ حوصلگی ، کشادہ قلبی ، وضع داری ، و انکساری ، عالی ظرفی ،
ہم الفہمی جوہر شناسی اور بے ریا و بے داغ کردار سے ملی اور ملکی تاریخ کا ایک روشن باب قائم کر
بس پر رہتی دنیا تک ملت اسلامیہ ناز کرتی رہے گی ۔

آپ کی ساری زندگی رضاکارانہ اور سپاہیانہ تھی ، آپ اغراض و مقاصد ، مفادات اور حالات
دھارے میں بہنے کے تصور سے بھی ناآشنا تھے ۔

ایوبی آمریت نے اعلاء کلمۃ اللہ کی پاداش میں ظلم و ستم اور جور و جفا کی وہ کونسی ادا تھی جو آپ
زمائی ہو ۔ لاتوں ، گھونسوں اور لاٹھیوں سے مارے گئے ، گھسیٹے گئے ۔ ڈاڑھی نوچی گئی ، ہڈیاں توڑی
۔ بہکانے اور دبانے کا ہر حربہ استعمال کیا گیا مگر آپ کے دین اسلام سے و[illegible] وفاداری ، پختگی ، پامردی
پائے استقامت میں کوئی لغزش نہ آئی ۔ یہ آپ ہی کی بے مثال قربانی اور شجاعت و کرامت تھی کہ ایوبی
یت کے غیر متزلزل قصر میں دراڑیں پڑ گئیں جو بالآخر اسکی تباہی پر منتج ہوئیں ۔

تحریک نظامِ مصطفےٰ میں پھر سے اپنے مظلوم و مجروح اور نحیف و نزار اور بیمار جسم کے ساتھ وقت کے حکمرانوں، وڈیروں اور ڈکٹیٹروں کی راہ میں استقامت کا پہاڑ بن کر حائل ہو گئے۔ کوڑے برداشت کئے، ہڈیاں تڑوائیں جان تک کا نذرانہ پیش کرنے سے دریغ نہ کیا مگر جبر و استبداد کی شہنشاہی ایک لمحہ برداشت نہ کر سکے۔

مرحوم کی زندگی پوری ملت کے سامنے ایک کھلی کتاب ہے۔ دنیائے علم کے آفتاب تھے آپ سے چمنستانِ علم کو تازگی ملی تنظیم و سیاست کو استقلال ملا۔ فکر کو اصابت رائے ملی اور امت کو جہد مسلسل کا سبق ملا۔ مذہب کو نیا جوش اور زندگی کو نئی امنگ ملی۔

مگر افسوس کہ مرحوم جن کی ساری زندگی مسلمانوں کی وحدت، تنظیم کے استحکام، جماعت کے وقار علماء کے اتحاد، وحدتِ ملت اور اتحادِ امت کیلئے وقف تھی۔ تمام عمر اسی فکر و غم میں گھلتے رہے۔ اور آخری لمحات میں تو مرحوم کی ایک ہی تمنا رہ گئی تھی کہ کاروانِ ولی اللّٰہی کے ارکان و افراد کو اللہ تعالیٰ نے جو غیرت و حمیت، شجاعت و دلیری جفاکشی و مستعدی ذہانت و طباعی علمی وقار اور ذاتی وجاہت ودیعت فرمائی ہے۔ وہ محض سیاست گری، عوامی نعرہ بازی۔ انقلاب برائے انقلاب اور باطل طاقتوں کے آلۂ کار کے طور پر استعمال نہ ہونے پائے بلکہ ٹھوس، مثبت اور مستحکم اصول اور محض دین کی سربلندی کیلئے وقف ہو۔ آپ کی زندگی کا آخری لمحہ بھی اس بات میں صرف ہوا کہ جسطرح بھی ممکن ہو علماء اور منتشر جماعتی احباب و افراد سے ایک منظم جماعت اور ان پراگندہ اوراق سے ایک مکمل کتاب امت کے لئے نمونہ کے طور پر سامنے آسکے۔

مگر افسوس! کہ مرحوم مایوس ہوتے تو روٹھ گئے، اللہ کو انہیں مزید پریشان کرنا منظور نہ تھا۔ اٹھا لیا۔ اور اپنے مہربان والد حضرت لاہوریؒ کے پہلو میں سلا دیا۔ آج بھی اگر جماعتی انتشار و افتراق کے ذمہ دار اور جماعت کی مرکزی اور ذی اثر شخصیتیں حضرت انور مرحوم کے مشن جماعتی وحدت، اور اتحاد ملت کو پورا نہ کر سکے۔ تو ان سے مولانا مرحوم کی روح آج بھی دست بگریباں ہے ؎

ابھی سے سوچ لو ورنہ روزِ محشر میں
میرے سوال کا تم سے جواب کیا ہو گا۔

(ع ق ح)

نوٹ:۔ مدیر الحق شدید مصروفیات کی وجہ سے نقش آغاز خود نہیں لکھ سکے۔ (ادارہ)

افادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

ضبط و ترتیب : مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہل حق

جانشین شیخ التفسیر مولانا عبیداللہ انور مرحوم

۲۸ اپریل ۱۹۸۵ء احقر نے قدیم دارالعلوم حقانیہ (مسجد حضرت شیخ الحدیث) میں نماز عصر سے فراغت کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو جانشین شیخ التفسیر مولانا عبیداللہ انورؒ کی وفات کی خبر سنائی، خبر سنتے ہی، حضرت نے اور تمام حاضرین نے بلند آواز سے، اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور حضرت مدظلہ بغیر کسی تاخیر کے فوراً اللہ کے حضور، حد درجہ الحاح اور تضرع کے ساتھ ان کی مغفرت اور رفع درجات کی دعا کرتے رہے۔ اور مغرب تک یہی کیفیت رہی۔ جو بھی آتا حضرت خبر سناتے اور مغفرت کی دعا فرماتے۔ انداز تکلم، اور چہرۂ اقدس سے رنجیدگی اور حزن والم کے آثار ہویدا تھے۔

ارشاد فرمایا۔ میرے تو ویسے بھی اعضا اور قویٰ کمزور ہیں مگر ان کی وفات سے دل کو صدمہ پہنچا ہے اللہ پاک اس صدمہ کے تحمل کی ہم کو، ان کے پسماندگان ولواحقین اور متعلقین کو توفیق عطا فرمائے۔ انما یوفی الصابرین اجرہم بغیر حساب۔

فرمایا، مولانا عبیداللہ انور کی وفات بہت بڑا جانکاہ صدمہ ہے۔ موصوف بڑے محقق اور مؤرخ عالم دین تھے۔ اپنے والد حضرت لاہوریؒ کے صحیح جانشین تھے۔ قرآنی علوم پر عبور حاصل تھا، مفسّر تھے اللہ نے علم و عمل دونوں دولتوں سے ان کو نوازا تھا۔ ظاہری اور باطنی علوم کے جامع تھے۔ نہایت بااخلاق متواضع اور خاکسار تھے۔ ساری عمر دین کی خدمت اور اشاعت علم میں گذار دی۔ علماء کی یکجہتی اور اتحاد ان کی زندگی کا مشن تھا۔ اسی غم و فکر میں عمر کے اس آخری مرحلہ میں گھل رہے تھے۔ کہ داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ عالم باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی سپاہیانہ اور مجاہدانہ تھی۔

میری صحت جب اچھی تھی اور لاہور جایا کرتا تھا تو مرحوم حد درجہ خلوص و محبت اور بے پناہ وارفتگی سے پیش آتے تھے۔ گو دارالعلوم دیوبند میں انہوں نے مجھ سے مشکوٰۃ وغیرہ پڑھی تھی۔ مگر روحانی مقام اللہ نے ان کو بلند عطا فرمایا تھا۔ اس کے باوجود تلمذ کی نسبت کی وجہ سے وہ خدمت کے لئے نچھاور ہوتے تھے۔

اور چوبیس گھنٹے مجھ سے جدا نہ ہوتے تھے۔ خادمانہ حیثیت سے رہتے۔ میں ان کی خدمت اور وارفتگی کو دیکھ کر یہ کہہ دیتا کہ واقعۃً انہوں نے استادی کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان کی وفات سے اسلامیانِ پاکستان ایک بہت بڑے مجاہد، بے باک اور نڈر متقی و پرہیزگار عالم دین سے محروم ہو گئے ہیں۔

مولانا مرحوم کو مجھ سے خاص محبت اور گہرا تعلق تھا۔ میری حالیہ کامیابی پر انہوں نے بارہا خطوط بھیجے وفود بھیجے کہ وہ مجھے استقبالیہ دینا چاہتے ہیں لیکن اپنی کمزوری، علالت اور کچھ سیاسی جلسوں اور ہنگاموں سے طبعی اجتناب و انقباضِ طبع کے پیشِ نظر ان کی اس عزت افزائی اور اکرام کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔[1]

حضرت شیخ نے فرمایا، ابھی سے دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ سے کہہ دیں کہ حضرت انور مرحوم کے لئے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت جاری رکھیں۔ کل اجتماعی طور پر دارالعلوم میں قرآنی خوانی، ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت تعزیت کی تقریب کا اہتمام کریں گے۔

اللہ کا نام باقی دنیا کا نظام باقی	۲ رنومبر ۸۴ء۔ بعد العصر حاضر خدمت ہوا، دریافت فرمایا، کچھ مسودہ وغیرہ بھی ساتھ لائے ہو، عرض کیا، حضرت جمعہ ہے اور آج چھٹی کی ہے۔

فرمایا، محنت کرو اور پوری تحقیق سے کام لو۔ دیکھو زندگی کا کوئی اعتبار نہیں جتنا کام ہو جائے وہ اللہ کے فضل سے ایک بڑی نعمت ہے، درس ترمذی میں میری طرز عامیانہ ہے۔ اور دیگر اساتذہ ..... کی طرز فاضلانہ ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ستر عیوب فرمائیں۔

آج بھی حسب سابق مہمانوں اور معتقدین کے ایک بڑے ہجوم میں گھرے ہوئے تھے۔ ایک صاحب کے کچھ عرض کرنے پر فرمایا :-

---

[1] حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ کے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے نام آخری مکتوب جو وفات سے قبل لکھا گیا تھا کے بعض اقتباسات نذر قارئین ہیں۔

منبع انوار و برکات ..... زندقہ و الحاد اور فتنہ پردازی کے اس دور میں اسلام کی عظمت اور بوتری اور ملک کی سالمیت کے لئے حضرت والا اس پیرانہ سالی میں جو خدمات سرانجام دے رہے ہیں وہ ہمارے لئے افتخار اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہوں گی۔ انتخابات میں بعض اہل حق کی کامیابی کے بعد حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی سینٹ میں کامیابی سے مسلک حقہ کو بڑی تقویت حاصل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو ملک و ملت کی بہترین خدمات انجام دینے توفیق عطا فرمائے۔

...... ہمارا ملجا و ماویٰ حضرت والا (شیخ الحدیث مدظلہ) کے سوا اور کوئی نہیں اور ہمیں اس پر بجا طور پر فخر و ناز ہے.....

بھائی ہم تمہیں کیا دے سکتے ہیں، ہمارے پاس تو صرف اللہ کا نام ہے اللہ کا نام باقی رہے گا تو دنیا کا نظام بھی باقی رہے گا۔ جب لوگ اللہ کا نام بھول جائیں گے تو قیامت برپا ہو جائے گی۔

دو صاحبوں کے نام دریافت فرمائے۔ ایک نے عرض کیا، میرا نام محمد صدیق ہے اور دوسرے کا نام عمر صدیق ہے۔ جب نام سنے تو صحابہ سے عشق و محبت اور کمال عقیدت کی وجہ سے جبینِ اقدس پر مسرت پھیل گئی۔ بشاشت نمایاں تھی۔ ارشاد فرمایا:-

بے شک یہ نام بھی مبارک ہیں، اور نام والے بھی مبارک ہیں اللہ تعالیٰ حضرت صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی برکتوں سے آپ کو مالامال فرما دے۔

ایک نوجوان حافظ قرآن کی شہادت ۲ نومبر ۸۴ء۔ اچانک دو صاحب حاضر ہوئے ایک دارالعلوم کے درجہ دورۂ حدیث کے طالب علم تھے دوسرے ان کے ساتھ جہاد افغانستان سے آئے ہوئے ایک نوجوان مجاہد مہمان تھے۔ حضرت شیخ سے مصافحہ کیا۔ تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے فرمایا۔ یہ صاحب مہمان نظر آتے ہیں۔ طالب علم نے عرض کیا، جی ہاں، یہ جہاد سے آئے ہوئے نوجوان مجاہد ہیں۔ ابھی چند روز قبل ان کے نوجوان بھائی جو علوم نبوت کے طالب علم اور قرآن کے حافظ تھے جہاد افغانستان میں روسی دشمن سے نہایت پامردی سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے ہیں۔ مرحوم شہید کا نام فضل منان تھا۔ دشمن کو کئی معرکوں میں بھاری نقصان پہنچا چکے تھے۔ کہ اچانک دشمن کے گھیرے میں آ گئے۔ حد درجہ بے دردی اور مظلومیت کے ساتھ شہید کر دئے گئے

ایک نوجوان حافظ قرآن طالب علم کی مظلومانہ شہادت پر حضرت شیخ حد درجہ رنجیدہ ہوئے۔ اور ادھر مہمان، مرحوم شہید جن کے بھائی تھے۔ غم حادثہ کے تازہ ہونے پر بے قرار ہو گئے۔ دل نے ابال کھایا آنکھوں سے آنسو رخساروں پر ڈھلک آئے۔ واقعۃً واقعۂ شہادت اس قدر عبرت ناک اور مظلومانہ تھا کہ حاضرین میں کوئی ایک بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ حضرت شیخ الحدیث خدا کی بارگاہ میں دست بدعا ہو گئے۔ مرحوم شہید کے رفع درجات۔ اخروی روحانی ترقیات کے لئے دعائیں کیں۔ ان کے بھائی (جو وارد مہمان تھے) کو تسلی دی اور مرحوم کے خاندان کے لئے صبر و رضا کی دعائیں کیں۔

مولانا محمد شریف جالندھری ۲، نومبر ۸۴ء۔ مولانا محمد شریف جالندھری جو مولانا خیر محمد جالندھری بانی و مہتمم خیر المدارس ملتان کے صاحب زادے اور مولانا محمد حنیف جالندھری مہتمم خیر المدارس کے والد گرامی تھے۔ کا ذکر خیر چھڑا، تو ارشاد فرمایا۔

مرحوم بہت بڑے عالم، نیکوکار اور پرہیزگار انسان تھے۔ اپنے والد کی ایک نشانی تھے۔ میرے دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ تدریس میں مرحوم بھی دوسرے صاحبزادوں کی طرح میرے حلقہ درس میں زیادہ آتے تھے اور

میرے خاص تلامذہ سے تھے۔ ان کی وفات سے بھی خلا پیدا ہوا ہے۔ دعا ہے کہ ان کے برخوردار اپنے والد بزرگوار کے صحیح جانشین ثابت ہوں۔

بھوک سے نجات اور دشمن سے حفاظت کا وظیفہ | ۲۴ نومبر ۱۹۸۴ء ضلع ہنگو سے چند مہمان تشریف لائے تھے۔ جاتے ہوئے وظائف کے خواستگار ہوتے۔

ارشاد فرمایا شب و روز صبح اور مغرب کی نماز کے بعد گیارہ گیارہ مرتبہ سورۂ قریش بمعہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے پڑھ لیا کرو۔ اول آخر درود شریف کا ورد بھی جاری رکھیں۔ اس سورت میں دو قسم کے امن کا ذکر ہے۔ ایک امن من الجوع۔ اور دوسرا امن من العدو۔

قریش کو اللہ پاک نے جوع سے نجات اور امن دیا تھا۔ ساری دنیا بھوکی تھی مگر قریش کو بیت اللہ کے جوار کی وجہ سے تحفے اور نذرانے ملتے تھے اسی طرح اس دور میں پورے عالم میں بدامنی تھی۔ ڈاکے اور لوٹ مار عام تھی۔ مگر قریش کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ قرب بیت کی وجہ سے ان کی دست بوسی ہوتی تھی۔

اس سورت میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس بیت کی عظمت اور قربت کے طفیل تمہیں جوع اور عدو سے امن حاصل ہے چاہئے کہ اس بیت کے رب کے احکام کی اطاعت کی جائے۔ رب البیت کی عبادت کی جائے۔ رب البیت کے احسان کا شکریہ ادا کیا جائے۔

آج ہمارے طبقہ علماء و طلباء کے ساتھ بھی اللہ کا عظیم احسان ہے۔ دینی مدارس میں ہمارے علماء و طلباء کو الحمد للہ دونوں وقت متوسط درجہ کا کھانا مل جاتا ہے۔ بود و باش، قیام اور اس نوع کی جملہ ضروریات غیب سے پوری ہو رہی ہیں۔ یہ سب دین کی برکتیں ہیں۔ عام لوگوں کی نسبت ہمارے طبقہ کو اللہ تعالیٰ کی زیادہ شکرگذاری اور عبادت کرنی چاہئے۔

کثرت استغفار | ۳۱۳ مرتبہ استغفار پڑھ لیا کریں یہ عدد مبارک ہے اور استغفار کی برکتیں تو ایسی ہیں کہ خود اللہ رب العزت نے اپنے کلام میں بیان فرمائی ہیں۔

استغفار سے گناہوں کی میل زائل ہو جاتی ہے جب کپڑا میلا ہو جاتا ہے یا اس پر میل کے داغ لگ جاتے ہیں تو صابن سے اس کو دھوتے ہیں اس کو خوب مانجھتے ہیں۔ اور رنگ سازوں کے اصول بھی یہی ہیں کہ کپڑے پر ایک رنگ چڑھانے یا نقش و نگار کرنے کے لئے اولاً اس کی خوب صفائی کرتے ہیں اور میل کچیل کو دور کر دیتے ہیں تب اس پر رنگ چڑھتا اور نقش جمتا ہے۔

اسی طرح ہمارا نفس بھی گناہوں کی میل سے آلودہ ہے جس قدر بھی کثرت سے استغفار پڑھیں گے گناہوں کی میل دور ہو گی اور عبادت نماز، روزہ، ذکر و فکر کے حسین نقوش اور عبودیت کا جمیل رنگ

چڑھتا جائے گا۔

مجاہد اعظم حاجی صاحب ترنگ زئی بھی اپنے متوسلین کو کثرت سے استغفار کی تلقین کرتے تھے۔ جب بیمار پرسی کی غرض سے میں حاضر خدمت ہوا تھا تو اس وقت میرے ساتھ کئی ایک ساتھی تھے۔ سب نے اپنی مختلف حاجات کے لئے جب وظائف مانگے تو انہوں نے سب کو ۳۱۳ مرتبہ استغفار پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ جب ساتھیوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو فرمانے لگے میں نے تو قرآن سے آپ کے مسائل کا جواب دیا۔[1]

فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا ویمددکم باموال و بنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انہارا

اندیشۂ تعلّی سے اجتناب | ایشیا کے عظیم علمی مرکز دارالعلوم دیوبند کے شہرۂ آفاق ماہنامے "دارالعلوم" کے مدیر مولانا ریاست علی صاحب نے حقائق السنن پر اپنی ادارتی تحریر میں لکھا تھا کہ مرتب کو چاہئے کہ جب صاحب امالی کسی مسئلہ میں مختلف توجیہات اور اقوال نقل کریں تو یہ بھی لکھا جائے کہ صاحب امالی کے نزدیک کونسی توجیہ راجح ہے۔ جب احقر نے مولانا ریاست علی صاحب کا یہ قول حضرت کو رسالہ دارالعلوم دیوبند سے پڑھ کر سنایا تو ارشاد فرمایا:۔

صاحب امالی کی رائے اور شان و مرتبہ، ان اکابر و شیوخ حدیث کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں، جن کے اقوال و آرا۔ اور توجیہات وہ نقل کرتے ہیں۔ فرمایا۔ اگر میں ان حضرات کے درمیان محاکمہ کروں یا کسی کو ترجیح بھی دوں تو تعلّی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ خود امام ترمذی جب کہیں اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہیں تو قلت یا اخترت نہیں کہتے بلکہ خود کو غائب تصور کرکے "قال ابوعیسٰی" سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ میں ان فقہا اور ائمہ کے زمرہ سے نہیں جن کی آراء و اقوال اور مذاہب نقل کئے گئے ہیں۔ تو میرا بھی یہ اصول ہے کہ اولاً کوشش یہ رہتی ہے کہ کہیں اپنی رائے اپنی رائے ظاہر نہ ہونے پائے۔ اور جہاں ایسا کرنا ناگزیر ہوتا ہے وہاں بھی درجہ احتیاط سے اپنی رائے ظاہر کر دیتا ہوں۔

اجازت حدیث کی درخواست پر | ۳۰ اپریل ۸۵ء مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب (کراچی) مولانا مفتی انور شاہ (ملتان)، مولانا محمد جمیل خان (کراچی)، مولانا محمد نعیم صاحب (کراچی)، مولانا قاری فیاض الرحمٰن (پشاور) حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ کہ مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب نے اجازت حدیث طلب کی تو حضرت مدظلہ نے سند بیان فرمائی اور فرمایا:۔

---

[1] مزید تفصیل صحبتے با اہل حق اکتوبر ۸۴ء کے الحق میں ملاحظہ فرمائیں۔

قسط ۳

مولانا شمس تبریز خان
رفیق مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنو

تاریخ اسلام میں شیعیت و باطنیت کا منفی کردار

شیعیت و باطنیت کی عرب دشمنی دنیا کے نام خدا کا آخری پیغام یعنی اسلام عرب کے ذریعہ پھیلا اور عرب اس عالمگیر انسانی و روحانی مشن کے اولین علمبردار (PIONEER) تھے۔ انہوں نے اپنی تہذیب کے سادہ ورق اور اپنے ذہن و دل کی لوح سادہ پر اسلام کا نقش اس طرح قبول کیا کہ وہ پتھر کی لکیر اور ان کا ضمیر و خمیر بن گیا۔ اس کے علاوہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ذخائر سے عربی زبان ہی مالا مال ہے۔ اور وہ اسلام کی سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ عربی زبان، اہل عرب اور اکابر اسلام (جن کی بیشتر تعداد عربوں ہی پر مشتمل تھی) کے فضائل متعدد احادیث صحیحہ کے علاوہ خود قرآن مجید میں بھی آئے ہیں۔ جن کا انکار ممکن نہیں۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "عربوں سے محبت رکھو کیونکہ میں عربی ہوں۔ قرآن عربی میں ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہوگی"۔ یہ حدیث متعدد طریقوں سے آئی ہے۔ اور اس کے بہت سے شواہد ہیں اس لئے کم از کم معنی کے لحاظ سے تو صحیح ہے۔

اس کے علاوہ اشاعت اسلام کے سلسلے میں عربوں کے جو ناقابل فراموش کارنامے رہے ہیں اور بحیثیت مجموعی مسلمانوں پر ان کے جو احسانات رہے ہیں۔ حرمین شریفین اور مقامات مقدسہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ و تابعین کی عالم عربی سے نسبت ایسی چیز ہے جو ہر مسلمان کو عزیز ہونی چاہئے اور ان سب باتوں کا لازمی تقاضا ہے کہ عربوں کے ساتھ اکرام و احترام اور ان کی خیر خواہی کا معاملہ کیا جائے۔

چنانچہ اسلام کی پوری تاریخ میں اہلسنت نے عربوں کے ساتھ ایسا ہی کریمانہ معاملہ کیا اور انہیں اپنا محسن اور اسلام کے اولین علمبرداروں کا مقام دیا۔ عجمی سلاطین خصوصاً عثمانی خلفاء اپنے کو ہمیشہ "خادم الحرمین الشریفین" کہلانے میں فخر و اعزاز محسوس کرتے تھے۔

عرب مسلمانوں کا ایران فتح کرنا، مجوسی و عجمی تعصب رکھنے والوں کو ہمیشہ ناپسند رہا۔ جس کے نتیجے میں

ومسلم خراسانی۔ بابک خرمی۔ اور حسن بن صباح جیسے عرب دشمن اور شعوبی پیدا ہوتے رہے۔ یہ شعوبیت کا اثر تھا
محمود غزنوی جیسے باحمیت مسلم حکمران کے زیر سایہ بھی فردوسی جیسا درباری شاعر، عربوں کی ہجو و مذمت کرتا
ہے اور علی الاعلان عجمی تعصب کو ہوا دیتا ہے۔

عربوں کے خلاف عجمی تعصب کا سب سے بڑا مرکز شروع سے آج تک ایران ہی رہا ہے جس سے
خلافت اسلامیہ اور مسلمانوں کی سیاسی قوت اور وحدت کو خطرہ لاحق رہا۔ علامہ شکیب ارسلان نے ایک
فرنچ مفکر "کونٹ دی غوبینو" کی یہ رائے نقل کی ہے:۔

"اہل عجم کا کل مقصد متحدہ عرب حکومت کو پارہ پارہ کرنا تھا کیونکہ اس عظیم سلطنت
کی ماتحتی میں ان کا دم گھٹتا تھا جو اسپین سے ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ
فارس کی داخلی خود مختاری کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ اس کے لئے سب سے
پہلے انہوں نے اہلسنت کی خلافت کی شرعی حیثیت کا انکار کیا اور اہل بیت کے
مغصوبہ حقوق کی بحالی کی آواز اس شرعی موقف کو اپناتے ہوئے اٹھائی جو ان کے
نزدیک اسلام میں عربی موقف سے زیادہ اہم اور مقدم تھا۔ اس طرح وہ گویا عربوں
سے بڑھ کر عرب اور اپنے خیال میں مسلمانوں سے بڑھ کر مسلمان بننے لگے۔ اور عربوں
کے مقابلے میں ایسے موقف لے کر اٹھ کھڑے ہوئے جن کا وہ قطعی انکار بھی نہیں
کر سکتے تھے۔ اس طرح ایران میں مذہب شیعہ کا نشوونما ہوا جس کے جلو میں بے شمار
معرکے تھے۔ لیکن اس نے ایران کی بڑی قومی خدمت کی۔ اور اس کی پارینہ روایات
کی تجدید کی۔ بہ ظاہر تو خلافت میں عباسیوں کے حق کے بارے میں نزاع تھی مگر
یہ تحریک خالص ایرانی تحریک تھی"[۵]

ایک جدید عرب مفکر و مؤرخ استاذ انور الجندی اپنی تاریخ اسلام میں ابومسلم خراسانی برآمکہ اور
ابن و مامون کی جنگ میں شعوبیت کے اثرات دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"فلسفیانہ اور باطنی تحریکیں جو اہل بیت کی حمایت کا نقاب ڈالے ہوئے تھیں بڑے
پیمانے پر فکری، معاشرتی اور سیاسی تصادم کا خاکہ بنا رہی تھیں۔ جو بعد کی بڑی
سیاسی تحریکوں کے ذریعے سامنے آیا۔ جیسے حبشیوں کی بغاوت، قرامطہ کی شورش،

---

[۵] حاضر العالم الاسلامی ۱/۱۸۵ بیروت (۱۹۷۳ء)

باطنیہ کی تحریک، یہ ایسی تحریکیں تھیں جنہوں نے معاشرتی انصاف اور اہل بیت کی حمایت کی نقاب اوڑھ رکھی تھی۔ مگر ان کی کوشش عظیم خلافت عباسیہ کے خاتمے کے لئے تھی چنانچہ یہ ساری کش مکش مسلمانوں کے عمومی زوال کا پیش خیمہ بن گئی۔"[1]

باطنیہ کی تحریک پر تبصرہ کرتے ہوئے استاذ انور الجندی لکھتے ہیں۔

"اس دعوت کے اندر قدیم ایرانی اثرات، ثنویت و مجوسیت کے مباحث بالکل ظاہر ہیں جن سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا مقصد قطعاً اسلام کے خلاف تھا اور وہ اسلام اور اس کی دعوت کے خلاف سازشوں کی ایک کڑی تھی۔"[2]

سفر نامہ ناصر خسرو کے مترجم مولوی عبدالرزاق کانپوری لکھتے ہیں:۔

"خلافت عباسیہ ترکی غلاموں کے اثر سے کمزور ہو کر ہنوز موجود تھی۔ لیکن خلفائے فاطمین اسے بھی صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتے تھے جس کے لئے ایک دارالحکومت (قاہرہ مصر) قائم تھا۔ اور جس کے نامور معلم ناصر خسرو جیسے علامہ تھے۔"[3]

یہ حکیم ناصر خسرو اہلسنت اور عباسی خلافت سے کتنا بغض رکھتا تھا اس کا اندازہ اس کے سفر نامے اور دوسری کتابوں سے ہو سکتا ہے۔ ہم یہاں اس کے دو شعر نقل کرتے ہیں جن میں اس نے فاطمی خلیفہ کو عباسی خلیفہ پر فوج کشی کی دعوت دی ہے۔ وہ لکھتا ہے ؎

وقت آں آمد کہ روزے ہمچو خاک کربلا — آب را در دجلہ از خونِ عدو، احمر کنی

اے نبیرۂ آں کہ زو شد در جہاں خیبر سمر — دیر بر ناید کہ تو بغداد را خیبر کنی[4]

شیعہ سنی اختلافات کے اصولی اختلاف کو ناواقف لوگ جزئی اور فروعی اختلاف سمجھتے ہیں۔ لیکن اہل علم اس کی اصولی نوعیت سمجھتے ہیں اور ان اختلافات کو بنیادی اور کفر و اسلام پر مبنی قرار دیتے ہیں حتی کہ مغربی فضلا بھی اس اختلاف کی گہرائی دیکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر براؤن لکھتے ہیں:۔

"شیعہ اور سنی کا جھگڑا صرف ناموں یا شخصیتوں کا جھگڑا نہیں ہے۔ بلکہ دو متضاد اصولوں یعنی جمہوریت اور بادشاہوں کے حق الٰہی کا جھگڑا ہے۔ عرب زیادہ تر جمہوریت پسند ہیں۔ اور ہمیشہ رہے ہیں۔ لیکن ایرانی ہمیشہ اپنے بادشاہوں کو الٰہی یا نیم الٰہی

---

[1] تاریخ اسلام ۲/۸۷ دارالانصار قاہرہ [2] تاریخ اسلام ص ۹۲ قاہرہ [3] سفر نامہ ناصر خسرو ص ۵۲
[4] سفر نامہ ناصر خسرو ص ۸۷ بحوالہ دیوان ناصر خسرو صد ۲۱۳

ہستیاں سمجھتے رہے ہیں جو طبائع اس بات تک کو گوارا نہیں کر سکتے کہ انسانوں کا منتخب کردہ کوئی شخص ان کی ریاست کا حاکم ہو۔ وہ امام یعنی خلیفۃ الرسول صلعم کے انتخاب عمومی کو کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایران ہمیشہ سے اسماعیلیہ اور امامیہ فرقوں کا مرکز بنا رہا ہے۔[۱]

اپنے نظریئے کی تائید میں براؤن نے رضائے کرد کے یہ اشعار بھی پیش کئے ہیں[۲]

بشکست عمرؓ پشت ہزبران اجم را — بر باد فنا داد رگ و ریشۂ جم را

این عربدہ بر غصب خلافت ز علی نیست — با آل عمرؓ کینۂ قدیم است عجم را[۳]

شیخ محب الدین خطیب نے اپنی کتاب میں الصاحب بن عباد کے دربار میں ایک ایران نواز شعوبی شاعر کے شعر پڑھنے اور الصاحب کے حکم سے اس کے نکالے جانے کا واقعہ لکھتے ہوئے الصاحب کا مشہور قول نقل کیا ہے کہ

لا تجد رجلا یطعن فی العرب — الا وفیہ عرق من المجوسیۃ

تم جب عربوں پر کسی کو طعنہ زنی کرتے ہوئے پاؤ تو سمجھ لو کہ اس میں کوئی عجمی رگ کارفرما ہے۔

اسلام دشمنی و مسلم کشی کی مسلسل تاریخ

خود کو مسلمان کہنے والے شیعہ فرقوں میں باطنیہ و قرامطہ سے جتنا نقصان اسلام اور مسلمانوں کو پہنچا ہے وہ ایک المناک اور افسوسناک تاریخی حقیقت ہے۔ سیاسی کشمکش کو انہوں نے دینی رنگ دینے اور بے گناہ مسلمانوں کا خون بہانے سے کبھی دریغ نہیں کیا اور ہمیشہ اسلام دشمن طاقتوں کے ساتھ مل کر سازش اور شورش پیدا کرتے رہے اور اپنی پوری تاریخ میں عالم اسلامی کے امن و استحکام کے لئے خطرہ بنے رہے۔ اور موقع بموقع قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے رہے۔ اسی لئے علامہ شمس الدین ذہبی نے اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے۔[۴]

واللہ یعلم وکفی باللہ علیما لیس فی جمیع الطوائف المنتسبۃ الی الاسلام مع بدعۃ وضلالۃ شر منھم لا اجھل ولا اکذب ولا اظلم ولا اقرب الی الکفر والفسوق	اللہ جانتا ہے اور اس کا علم بہت کافی ہے کہ اسلام کی طرف منسوب فرقوں میں بدعت و ضلالت کے باوجود کوئی ان سے زیادہ برا نہیں اور نہ کوئی ان سے زیادہ جاہل، جھوٹا، ظالم اور کفر و فسق اور عصیان

۱۔ تاریخ ادبیات ایران ص ۲۹، ۳۰ ۲۔ ایضاً ۳۔ ۴۔ مجموع السنۃ ۱/ ۲۲۶، ۲۲۷

والعصیان وابعد عن حقائق الایمان منہم[1] سے قریب اور حقائق ایمان سے دور ہے۔

وہ ان فرقوں کی اسلام دشمنی کے سلسلے میں لکھتے ہیں :-

"معلوم ہوا ہے کہ ساحل شام پر الجرد و کسروان نام کے بڑے پہاڑ تھے جس میں ہزاروں روافض (دروز) رہتے ہیں۔ اور لوگوں کا خون بہاتے اور انہیں لوٹتے ہیں۔ اور جب ۶۹۹ھ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو ان کے ساز و سامان پر قبضہ کر لیا اور انہیں کافروں اور قبرص کے نصاریٰ کے ہاتھ بیچ دیا۔ وہ گزرنے والے مسلمان سپاہیوں کو بھی پکڑ لیتے تھے اور اس طرح وہ مسلمانوں کے لئے ان کے تمام دشمنوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے۔ ان کے بعض امراء نے نصاریٰ کا علم بلند کیا۔ یہ پوچھے جانے پر کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں کون بہتر ہے؟ کہا کہ نصاریٰ بہتر ہیں۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ قیامت میں کس کے ساتھ حشر پسند کرو گے تو کہا کہ نصاریٰ کے ساتھ۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کے کئی شہروں کو نصاریٰ کے حوالے بھی کیا۔"[2]

اخیر میں علامہ ذہبی پھر بڑے درد کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ

ففعلوا فی اهل الایمان مالم یفعله عبدة الاوثان والصلبان[3]

ان باطنیوں نے اہل ایمان کے ساتھ ایسا برا سلوک کیا جو بت پرستوں اور صلیبیوں نے بھی نہیں کیا۔

علامہ مصر شیخ ابوزہرہ، روافض باطنیہ کی اسلام دشمنی اور غیر اسلامی طاقتوں سے سازباز کی دیرینہ روایت کے متعلق لکھتے ہیں :-

"بلاد شام اور اس کے بعد عالم اسلام پر صلیبی حملے کے وقت انہوں نے مسلمانوں کے مقابلے پر صلیبیوں سے دوستی کی۔ چنانچہ جب صلیبی بعض بلاد اسلامیہ پر قابض ہوئے تو انہیں اپنا مقرب بنایا اور مختلف عہدوں پر بحال کیا۔ اور جب نورالدین زنگی، صلاح الدین ایوبی اور دیگر ایوبی حکمراں ہوئے یہ چھپ بیٹھے اور مسلمانوں کے اکابر اور بڑے سپہ سالاروں کے قتل کی سازشیں کرنے لگے۔ اور جب تاتاریوں نے شام پر حملہ کیا تو صلیبیوں کی طرح نصیریوں نے ان سے بھی دوستی کی اور ان کے آلۂ کار بن گئے

---

[1] مختصر منہاج السنہ ص ۳۳۲ [2] ایضاً ص ۳۲۹-۳۳۲ [3] ایضاً ص ۵۰۵

پھر تاتاری حملے رکنے کے بعد اپنے پہاڑوں میں اسی طرح سمٹ گئے۔ جیسے دریائی کیڑے اپنے خول میں سمٹ جاتے ہیں۔ اور دوسرے موقع کے انتظار میں بیٹھ گئے"[1]

شام کے ممتاز عالم شیخ عبدالرحمٰن حسن حبنکۃ المیدانی نے باطنیوں اور قرمطیوں کی مسلم کشی کا ایک سنہ وار جائزہ درج کیا ہے جس کا خلاصہ یہاں دیا جاتا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

"۲۹۰ھ میں یحییٰ قرمطی نے محاصرۂ دمشق میں بہتوں کو قتل کیا۔ اس کے بھائی حسین نے بلادِ شام میں قتل عام کیا۔ جانوروں اور بچوں تک کو نہیں بخشا ۔۔۔ ۲۹۴ھ میں زکرویہ بن مہرویہ نے حاجیوں کے خراسانی قافلے کو قتل کیا۔ اور راستے کے تمام کنوؤں کو بند کر دیا۔ اس سال تقریباً بیس ہزار حاجی شہید ہوئے۔ حجاج کا قتل قرامطہ کی مخصوص عادت تھی اور اس میں عراقی، ایرانی اور بحرینی آگے تھے ۔۔۔ ۳۱۲ھ میں ابوطاہر قرمطی نے کوفہ میں قتل عام کیا ۔۔۔ ۴۹۴ھ میں قرامطہ نے پھر زور پکڑا۔ ان کے سرغنہ احمد بن عطاش کا مرکز قلعہ اصفہان تھا اور حسن بن صباح کا الموت جس کے فدائیوں نے نظام الملک کو قتل کیا ۔۔۔ ۴۹۸ھ میں خراسان و ہندوستان کے قافلۂ حجاج کو رے کے پاس باطنیوں نے قتل کیا بالآخر ۵۱۸ھ میں حسن بن صباح مر گیا ۔۔۔ ۵۲۰ھ میں وہ پھر سرگرم ہوئے، بہرام نے شام کو مرکز بنایا اور صلیبی حملوں سے فائدہ اٹھایا۔ قلعہ بانیاس (شام) پر قابض ہو کر مسلمانوں کو ستانے لگا۔ مزدقانی باطنی نے صور کے صلیبیوں سے دمشق کی پیش کش کی۔ اور کہا کہ جمعہ کے دن جامع اموی کے دروازے بند کر کے انہیں قبضہ دلا دے گا۔ مگر یہ راز تاج الملوک امیر دمشق کو معلوم ہو گیا اس نے اسے بلا کر قتل کر دیا۔ اور اس کا سر قلعے کے دروازے پر لٹکا دیا۔ اور رمضان ۵۲۳ھ میں مسلمانوں نے باطنیوں کا صفایا کیا ۔۔۔ ۵۲۴ھ میں اسماعیل باطنی نے قلعہ بانیاس صلیبیوں کے حوالے کر دیا ۔۔۔ ۵۴۹ھ میں خراسان میں باطنی، مسلمانوں کے ہاتھوں شکست خوردہ ہوتے ۔۔۔ ۵۵۲ھ میں باطنیہ نے پھر خراسانی حجاج کا قتل عام کیا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ بلادِ اسلامیہ کا کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں شرفاء و حجاج کے اس قتل عام پر ماتم نہ ہوا ہو (قال المؤرخون ولم یبق بلاد من بلاد المسلمین الا وفیہ مأتم علی من قتل من الفضلاء فی ہذہ الغدرۃ الخائنۃ) ۔۔۔

[1] تاریخ المذاہب الاسلامیہ لابی زہرہ ص ۶۴ قاہرہ ۱۹۷۶ء

۵۷۱ھ میں صلاح الدین ایوبی قلعہ اعزازنہ (نزد حلب) کے محاصرے کے دوران طائفہ اسدیہ کے امیر جاولی کے خیمے میں گیا جہاں ایک باطنی نے اس کے سر پر حملہ کیا۔ مگر وہ مغفر کے سبب محفوظ رہا۔ صلاح الدین نے اسے پکڑ بھی لیا۔ اتنے میں امیر بازکش خیمے میں داخل ہوا جسے باطنی نے زخمی کیا۔ پھر امیر نے اسے قتل کیا۔ پھر بہت سے باطنی آئے اور قتل ہوئے اور صلاح الدین صحیح سلامت نکل آیا۔ اور فوج سے باطنیوں کو نکال دیا"[1]

مصر کے غیرت مند سنی عالم و اہل قلم شیخ محب الدین خطیب نے دو جلدوں میں ردِ شیعہ میں اپنی مشہور کتاب "مجموع السنۃ" لکھی جس میں وہ بجا طور پر لکھتے ہیں:-

"ہمارے درمیان تاریخ فیصلہ کر سکتی ہے۔ کیا آپ نے کسی خارجی، شیعی یا معتزلی سپہ سالار کو اسلامی مقاصد کے لئے کسی فوج کی قیادت کرتے دیکھا ہے۔ یا وہ لوگ ہزیمت کے داعی اور تفرقہ وانتشار کے حامی رہے ہیں۔ وہ لوگ تو ہر مجاہد حکومت جیسے اموبین اور آل عثمان کے خلاف سازشیں کرتے رہے ہیں"[2]

عبد القاہر بغدادی لکھتے ہیں:-

"ایک باطنی بدباطن سلیمان بن الحسین الاحسا سے اسلامی حکومت کے خاتمے کا دعویٰ لے کر اٹھا اور حاجیوں پر حملہ آور ہو کر بہتوں کو شہید کر دیا۔ پھر مکہ معظمہ میں داخل ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنے والے بے گناہوں کے خون سے اپنے ناپاک ہاتھ رنگے۔ کعبہ کے مقدس پردے چاک کئے۔ اور شہیدانِ حرم کو بیئر زمزم میں ڈال دیا۔ اور مسلم افواج کو قتل کیا اور بالآخر ان سے شکست کھا کر مقام ہجر کی طرف فرار ہو گیا۔ جہاں ایک بہادر مسلمان خاتون کی پھینکی ہوئی اینٹ سے اس کا سر پرغرور کچلا گیا۔

اس کے بعد اسلامی حکومت کا دائرۂ اقتدار برابر بڑھتا گیا۔ اور اللہ نے مسلمانوں کے ہاتھ سے تبت و چین کے اکثر علاقے اور یمین الدولہ امین الملت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ کے عہد میں ہندوستان بھی اسلامی سلطنت میں داخل ہو گیا۔

پھر قیروان (تیونس) میں ایک باطنی عبید اللہ بن الحسن ظاہر ہوا۔ اور اپنے دام فریب میں کتامہ، مصامدہ، اور کچھ بربر قبائل کو مبتلا کر دیا۔ اور اس کی شعبدہ بازیوں کے سبب بھولے بھالے لوگ اس کے پیرو بن گئے۔ اور ان کی مدد سے وہ المغرب کے بعض علاقوں پر قابض ہو گیا۔

---

[1] مکاید یہودیۃ عبر التاریخ للاستاذ عبد الرحمٰن حسن حبنکہ المیدانی صہ ۲۰۲، ۲۰۵ دمشق ۱۹۷۸، [2] مجموع السنۃ ۱/ ۳۷۶

پھر ابو سعید الحسین بن بہرام نامی باطنی الاحسار قطیفت اور بحرین پر قابض ہوگیا۔ اور مسلمانوں کی جان و مال سے کھیلنے لگا۔ عورتوں، بچوں تک کو قید کر لیا۔ مصاحف اور مساجد کو آگ لگائی۔ پھر ہجر پر قابض ہوکر وہاں کے لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا۔

یمن میں صنادیقی باطنی ظاہر ہوا۔ اور مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ جہاں ابن الفضل بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ مگر اللہ نے ان کا مرض اکلہ اور طاعون سے کام تمام کر دیا۔ پھر شام میں میمون بن دیصان کے پوتے بوالقاسم بن مہرویہ نے اپنی حکومت کی پیش گوئی کے ساتھ خروج کیا۔ (۲۸۹ھ) خلیفہ المعتضد کے فوجی نسر سبک نے اس کا مقابلہ کیا۔ مگر وہ اسے قتل کرکے شہر رصافہ میں داخل ہوگئے۔ اور وہاں کی جامع مسجد کو جلا دیا۔ اور وہاں سے دمشق کا رخ کیا۔ جہاں انہیں الحمامی غلام ابن طیبون نے رقہ کی طرف بھگا دیا۔ جہاں لمکتفی کے سکریٹری محمد بن سلیمان نے انہیں شکست دی۔ اور الحسن بن زکریا ابن مہرویہ رملہ کی طرف بھاگا یہاں والئ رملہ نے اسے اس کے ساتھیوں سمیت خلیفہ المکتفی کے پاس بھیج دیا۔ اور خلیفہ نے بغداد کے شارع عام پر انہیں بری طرح قتل کیا۔ اور ۳۱۰ھ تک قرامطہ کا فتنہ فرو رہا۔ (باقی)

آپ لوگ خود علوم نبوت کے بحور ہیں، تاہم آپ کا حسن ظن ہے۔ مجھے حضرت الاستاذ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے اس سند سے اجازت دی تھی۔ تو میں بھی یہی سند اور حضرت الاستاذ کی دی ہوئی سنداً اجازت طلباء کو بیان کر دیتا ہوں۔ مگر تواضعاً آخر تک حاضرین کو یہ نہ کہا کہ آپ کو اجازت ہے (خود حضرت کو اپنا مقام و منزلہ اس قابل نظر نہ آیا کہ لفظ اجازت کہیں) تب مفتی احمد الرحمن صاحب نے کہا کہ حضرت آپ صحاح ستہ کی اجازت بھی مرحمت فرمادیں۔ تو حضرت مدظلہ نے فرمایا کہ مجھے حضرت مدنی نے جو اجازت مرحمت فرمائی تھی وہی آپ حضرات کے پیش خدمت ہے۔

شیخ الہندؒ کے تراجم | ۳۰ اپریل۔ اسی موقعہ پر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ۵۳ شروحات بخاری دیکھ لینے سے وہ تشفی نہیں ہوتی جو حضرت شیخ الہند کے الابواب والتراجم کی تین سطروں سے حاصل ہوجاتی ہے

مولانا محمد جمیل خان صاحب، اقراء ڈائجسٹ مئی سے نکال رہے ہیں انہوں نے مجھ سے کہا کہ حضرت سے کہہ دیں کہ حضرت ہمارے ڈائجسٹ کے اولین خریدار بن جائیں یہ نیک فال اور تبرک ہوگا۔ احقر نے عرض کیا تو حضرت مدظلہ نے فوراً دریافت فرمایا کہ سالانہ چندہ کتنا ہے؟ عرض کیا ۱۳۶ روپے۔ تو فوراً ۱۳۶ روپے حضرت مولانا مفتی احمد الرحمن صاحب کی خدمت میں پیش کئے اور فرمایا۔ آپ میرے نام مستقل بھیجا کریں۔ میری دلی دعا ہے کہ باری تعالی آپ کے اس اشاعتی پروگرام کو کامیاب فرمائے۔ واقعی نئی نسل اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں نئے اشاعتی طریقوں سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ کے اس اقدام سے مسرت ہوئی اللہ تعالی مبارک فرمائے۔

از میجر ریٹائرڈ امیر افضل خان

حضرت علیؓ اور فنِ سپہگری

اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار
قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن
یا خالدؓ جانباز ہے یا حیدرِ کرارؓ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپاہیانہ شان پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جائیں گی۔ کہ شیرِ خدا کا لقب ایسا ہے جس کو معنی میں بند نہیں کیا جا سکتا۔ بات تو ساری حضور پاک ؐ کی نگاہ کی تھی۔ ورنہ جو کچھ جنگوں میں جناب علی المرتضیٰ نے کیا یا وہ کر سکتے تھے اس کو بیان کرنے کی قوت کسی قلم کو نہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو قوت دی، آج بھی ہر مسلمان مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ سے اس قسم کی ہمت یا قوت کی گذارش کرتا ہے۔ جو لوگ آپ کے نام کو اونچی آوازیں پکارتے ہیں۔ وہ بھی دراصل اللہ تعالیٰ سے ایسی طاقت مانگ رہے ہوتے ہیں اور ایسی طاقت سے اپنے دل کو مضبوط کرنے کی یہ ایک سعی ہوتی ہے۔

ہم یہاں شرک کے مسئلے کی تفصیل میں نہ جائیں گے کہ یہ ایک بہت مشکل مسئلہ ہے کہ بعض کے مطابق یہ کہہ دینا بھی شرک ہے کہ میں نے فلاں کام کیا۔ کہ دراصل سب کچھ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی کرتا ہے۔ اور ہمارے آقا حضور پاک محمد مصطفیٰ ؐ ہر جنگ کے بعد ساری کامیابی کے لئے اکیلے اللہ ہی کا نام لیتے تھے۔ اور نہ ہی ہم اس چکر میں پڑیں گے کہ کون زندہ ہے اور کون مردہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جاہل کو قرآن پاک میں مردہ کہا لیکن روح زندہ ہے اور اسے بقا بھی ہے۔ اور دوام بھی۔ کہ حضور پاک ؐ کا فرمان ہے کہ موت کے بعد مومن کی طاقتیں ستر گنا بڑھ جاتی ہیں۔ بے شک یہ عالم امر یا برزخ میں ہوتا ہوگا۔ لیکن اس دنیا کی تو کچھ حقیقت نہیں۔ اس عالم خلق یا کائنات میں یہ دنیا ایک تنکے کی حیثیت رکھتی ہے۔

چنانچہ پہلے تین خلفائے راشدین کی فوجی حکمت عملی بیان کرنے ہمارے سامنے ایک مقصد یہ ہ کہ واضح کریں کہ سارے رفقا اور خاص کر چار یار اشداء علی الکفار اور رحماء بینہم کی عظیم مثالیں تھیں۔ لیکن ان سے کافی حد تک اپنی روشن ضمیری یا تصرف پر پردے ڈالے ہوئے تھے۔ اور حضور پاک ؐ کے زمانے کی جنگوں تینوں اصحاب ثلاثہ نے ہر جنگ میں ایک مجاہد کے طور پر کام کیا۔ لیکن حضرت علیؓ نے اس زمانے میں اشداء الکفا

کی مثال قائم کی کہ آپ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک مشکل کام سرانجام دینا تھا جس میں اصحاب ثلاثہ کی طرح فتوحات یا حکمت عملی کم تھی بلکہ اسلام کے مرکز کو سہارا دینا تھا۔

چنانچہ حضرت علیؓ نے ان عسکری اور فوجی اوصاف کا مظاہرہ حضور پاکؐ کے زمانہ میں کر دیا تھا۔ جنگ بدر میں بے شک اسلام کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیرؓ تھے۔ لیکن جب مدینہ شریف سے کوچ کیا گیا تو حضور پاکؐ کے آگے آگے حضرت علیؓ اور حضرت سعد بن معاذ دو الگ الگ سیاہ جھنڈے اٹھائے ہوئے چل رہے تھے حضرت علیؓ کا جھنڈا العقاب کے نام سے موسوم ہوا بعد میں جب جنگ بدر کی صف بندی ہوئی تو حضرت علیؓ جھپٹ کر حملہ کرنے والے دستے کے کمانڈر بھی تھے۔ پہلی مبارزت میں ولید بن عتبہ کو قتل کرنے کے بعد جب کفار کی یورش تھم گئی تو حضرت علیؓ نے جھپٹنے والے دستوں کی کمانڈ کر کے دشمن کو تہس نہس کر دیا۔ اور خود اپنے ہاتھ سے سعید بن العاص، عقبہ بن ابی معیط، عامر بن عبداللہ، تیمہ بن عدی، نوفل بن خویلد۔ النضر بن الحارث اور معاویہ بن عامر کو قتل کیا۔

حضرت علیؓ کا یہ جھنڈا اتنا مشہور ہوا کہ یہی جھنڈا خلیفہ اول نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو عطا فرمایا۔ اور حضرت خالدؓ جب عراق کی فتوحات کے بعد ملک شام میں سپہ سالار اعظم بن کر گئے اور پہلی دفعہ دور سے دمشق کے سامنے سے گذرے۔ اور جہاں پر تھوڑے عرصہ کے لئے ٹھہر گئے اور یہ جھنڈا بھی گاڑ دیا۔ یہ مقام آج بھی سفیات العقاب کے نام سے موسوم ہے۔

جنگ احد میں پہلی ہی جھپٹ میں حضرت علیؓ نے قریش کے علمبردار طلحہ بن عبداللہ کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے یکے بعد دیگرے عبداللہ بن حمید۔ الاقاس بن شریق اور ابو امیہ بن ابو حذیفہ کو قتل کر دیا۔ بعد میں جنگ مڈبھیڑ کی صورت اختیار کر گئی۔ اور بے شک حضرت علیؓ اور حضرت ابو دجانہؓ کی تلوار سے اس دن کافروں کے دشتوں کے پشتے لگا دئے کہ کفار ایک دفعہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ دشمن کے جوابی حملے کے دوران جب حضور پاکؐ نے جو پہاڑ کے دامن میں دوسری صف بندی اختیار کی وہاں پر بھی حضرت علیؓ کی تلوار نے دشمن کو تہس نہس کر دیا۔

جنگ خندق میں عرب اور قریش کے مشہور پہلوان عمر بن عبدو جو جنگ کی حسرت کو اٹھائے دن بدن بوڑھا ہو رہا ہے اس کا حضرت علیؓ کی تلوار نے کام تمام کر دیا۔ اس کے علاوہ جنگ خیبر تو عام طور پر حضرت علیؓ کی جنگ، اور حضرت علیؓ کا قلعہ کے دروازہ کو اکھاڑ دینے کی وجہ سے، جنگ ہی حضرت علی کی مانی جاتی ہے۔ بے شک حضور پاکؐ اس جنگ میں مجاہدین کو قلعہ سر کرنے کی تربیت دے رہے تھے۔ کہ یہ تربیت بعد میں انبار، جلولہ، مدائن، دومتہ الجندل، سکندریہ، فرما اور باب الیون کی جنگوں میں بڑی کام آئی

یہ تمام قلعے خلفائے راشدین کے زمانہ میں فتح ہوئے۔

حضور پاکؐ، صحابہ کرام کو باری باری بھیج رہے تھے۔ کہ قلعوں کی جنگ میں پہلے ایک دو حملے کر کے کمزور مقامات کو تلاش کیا جاتا ہے اور پھر بھرپور وار کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھرپور وار حضرت علیؓ کے حصے میں آیا۔ کہ انہوں نے خیبر کے در کو اکھاڑ دیا۔ اور مرحب کو چاروں شانے چت کر دیا۔

فتح مکہ کے وقت بھی حضرت علیؓ ایک دستے کی کمانڈ کر رہے تھے اور ایک الگ درے سے خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ اور اسی طرح جنگ حنین اور طائف کے محاصرہ میں بھرپور حصہ لیا۔ یعنی تبوک کی مہم کو چھوڑ کر حضور پاکؐ کے لشکر میں ایک دولہا کی طرح ہر مہم میں شرکت کی۔ بلکہ وادی القریٰ، بنو طے کے علاقے اور یمن کے علاقوں میں کئی مختار دستوں کی کمانڈ بھی کی۔

ذاتی جنگ یا میدان جنگ کی کسی کارروائی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو جو کچھ عطا کیا۔ وہ اپنی قسم کی آپ ہی ایک عطا تھی کہ جنگ حنین میں ایک سرخ اونٹ والا جس نے مسلمانوں کا بہت نقصان کیا، حضرت علیؓ کا ایک وار مشکل سے سہہ سکا۔ پہلے آگے جھپٹ کر آپ نے اس کے اونٹ کی کانچیں کاٹ دیں اور پھر ایک انصاری کی مدد سے اس کا سر قلم کر کے پرے پھینک دیا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے میں جب باغی قبائل نے مدینہ شریف پر حملہ کیا تو حضرت علیؓ کے دستے نے باغیوں کو ذوالقصہ تک بھگا دیا۔ اور پھر باغیوں کا قلع قمع آسان ہو گیا۔ اس کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ بلکہ حضرت طلحہؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ پہلے دو خلفاء کے مشیر اعلیٰ تھے اس لئے جنگوں میں شرکت نہ کر سکے اور پھر حضرت علیؓ خلیفہ سوم کے مشیر بن گئے۔ خلیفہ سوم کی تمام فتوحات اور قرآن پاک کی اشاعت میں حضرت علیؓ نے ایک مشیر اعلیٰ کے طور پر کام کیا۔ کہ آپ کی اپنی خلافت کے زمانے میں جب حضرت عثمانؓ پر کچھ اعتراض کیا گیا تو حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو خاموش کر دیا کہ حضرت عثمانؓ کی ہر کارروائی ان کے مشورے سے ہوتی تھی۔ اور حضرت عمرؓ جب مدینہ شریف سے باہر جاتے تو اپنا نائب حضرت علیؓ کو مقرر کرتے تھے۔

حضرت علیؓ کو خلافت کی چاہت بالکل نہ تھی۔ اور انہیں مجبوراً خلافت سنبھالنا پڑی کہ اسلام کے مرکز کو سہارا دینے کی ضرورت تھی۔ آپ نے صاف طور پر فرما دیا کہ وہ امارت کی بجائے مشاورت کو پسند کرتے ہیں اور دراصل بات بھی اس طرح تھی کہ حضور پاکؐ جس علم کے شہر تھے حضرت علیؓ اس کے دروازہ تھے تو کون ان کو مشورہ دے سکتا تھا۔

عظیم اور مدبر صحابی حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے ان کو مشورہ دیا کہ بہتر ہو گا کہ حضرت علیؓ حضرت

عثمانؓ کے عاملوں کو نہ ہٹائیں تو حضرت علیؓ نے فرمایا جب مجھے معلوم ہی نہیں کہ وہ لوگ میرے ساتھ کتنی وفاداری کریں گے تو ان لوگوں کو اپنا عامل کیسے رکھ سکتا ہوں۔ حضرت مغیرہؓ لاجواب ہو گئے۔ لیکن پھر لقمہ دیا کہ کم از کم امیر معاویہؓ کو تو رہنے دیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ "اصول سب کے لئے ایک جیسے ہونے چاہئیں" اب ان حالات میں آپ کو کون مشورہ دے سکتا تھا۔

آپ کے بیٹے امام حسنؓ نے گزارش کی کہ آپ خلافت قبول نہ کریں جب تک تمام اطراف و دور دراز ملک کے لوگوں سے پوچھیں سب امت آپ کی خلافت پر متفق ہو، تب خلافت قبول کریں۔ فرمایا۔ "بیٹا! لوگ کبھی متفق نہ ہوں گے۔ اور اکثریت کو اللہ تعالیٰ نے جاہل قرار دیا ہے۔ پھر لوگ بھانت بھانت کی بولیاں بولیں گے۔ مجبوری ہے کہ اسلام کے مرکز کو سہارا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آمریت اور حاکمیت کو جاری کرنا ہے۔ اب اگر میں یہ خلافت قبول نہیں کرتا تو اور کون کرے گا۔ حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد اور حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) پہلے ہی انکار کر چکے ہیں۔

افسوس کہ امت نے حضرت علیؓ کو نہ تو اس زمانے میں سمجھا اور نہ اب کوئی صحیح تحقیق ہو رہی ہے انگریز مورخ جنرل جان گلب کہتا ہے کہ مسلمان مورخین نے جو کچھ خود بیان کیا ہے اور جو کچھ حضرت علیؓ کے مخالف بھی ان کے بارے میں کہتے ہیں تو انسان حیران ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے ایسی عظیم شخصیت کی امارت سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔

بات صحیح ہے کہ اس وقت نئی نئی حب دنیا اور خود غرضی مسلمانوں کے اندر داخل ہو رہی تھی۔ اور لوگوں نے افلاطون بننا شروع کیا ہوا تھا تو امت تفرقے کا شکار ہو گئی۔

حضرت عثمان اور حضرت علی (رضی اللہ عنہما) کی یہی بڑی عظمت ہے کہ ان حالات میں بھی راہ حق پر قائم رہے۔ کسی صحابی نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ پہلے دو خلفائے راشدین کے زمانے کے حالات ٹھیک رہے۔ اب کیوں خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ فرمایا "ان کے مشیر ہم تھے، ہمارے مشیر تم ہو"

افسوس کہ حضرت علیؓ کے اپنے زمانے میں جو جنگیں ہوئیں ان کو بھی نہ سمجھا گیا اور ان کی بھی کوئی تحقیق نہ کی گئی۔ جنگ جمل ایک حادثہ ہے اور خود حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ پشیمان ہوتے۔ اور میدان جنگ کو چھوڑ دیا۔ لیکن سازشی دونوں لشکروں میں موجود تھے اور پھر بھی جنگ ہو کر رہی۔ لیکن ہم نے سبق نہ سیکھا غلطی یہ تھی کہ اپنے اختلافات کو حضور پاکؐ کے حکم کے مطابق مسجد میں بیٹھ کر طے نہ کیا۔ اور سازشیوں یا منافقین کو نہ پہچان سکے۔ آج پاکستان میں ہم پھر اسی سازش کا شکار ہیں اور اپنے اختلافات کو بازاروں میں لے جاتے ہیں۔ ادھر قادیانی اور مغربی لابی یعنی سرسید کے پیرو وہ کام کر رہے ہیں جو حضرت علیؓ کے زمانے میں عبداللہ

بن سبا نے کیا۔

حضرت علی رض انہوں کے خلاف جنگ بالکل نہ کرنا چاہتے تھے اور جنگ جمل اور جنگ صفین سے جتنا گریز کرنے کی انہوں نے کوشش کی، اس پر کئی مضامین لکھے جا سکتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک چلے گئے کہ آؤ ، ابن سفیان (معاویہ رض) امت کو قتل سے بچائیں اور یہ فیصلہ میرے اور تیرے درمیان ہو جاتے۔

انگریز مورخ جان گلب جیران ہے کہ حضرت علی رض جو اس وقت ساٹھ برس سے زیادہ عمر کے ہو چکے تھے۔ چالیس برس کے قریب کی عمر والے معاویہ رض کو مقابلہ میں بلا کر بڑا خطرہ مول لے رہے تھے۔ اب بے چارہ گلب حضرت علی رض کی شان کو سمجھے البتہ امیر معاویہ رض اس چیز کو سمجھتے تھے اور وہ مقابلہ کے لئے نہ آئے ان کو معلوم تھا کہ ان کے غلام کیبان کی طرح اللہ کا شیر ان کو گردن سے پکڑ کر گیند کی طرح کئی سو گز دور پھینک دے گا۔

اول تو ہر چیز میں مشیت ایزدی ہوتی ہے لیکن جنگ صفین اور امیر معاویہ رض کی مخالفت میں ایک راز تھا کہ خلافت حضور پاک ص کے نواسوں اور اولادِ علی رض میں نہ رہنی تھی۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا تھا کہ اپنے حبیب ص کی اولاد کے دامن کو دنیاوی امارت سے داغ دار کرتا۔ اور سادات نے پھر بھی شاہ یا بادشاہ کہلانا تھا۔ کہ آج ہر سید کو ہم شاہ جی کہہ کر پکارتے ہیں۔

اگر ہم ان پہلوؤں کو سمجھ جائیں کہ خلافت حضرت علی رض کو مل جانے کے بعد بھی ان کی اولاد میں نہ رہی تو ہم لوگوں کو پہلے تین خلفاء کی خلافت کو بھی اسی طرح بسر و چشم قبول کرنا چاہیئے تھا جس طرح حضرت علی رض نے کیا۔ تو امت کے کئی تفرقے مٹ جاتے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اصحاب ثلاثہ کی اولاد کو بھی اللہ تعالیٰ نے دنیاوی امارت سے داغدار نہ کرنا تھا۔ کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ ابوبکر ثانی۔ یا عمر ثانی۔ یا عثمان ثانی نہیں پیدا ہو سکتے تھے۔

گو فتنہ حضرت عثمان رض کے زمانے سے شروع ہوا اور حضرت علی رض کے زمانے میں خارجی پیدا ہوتے جو آگے چل کر معتزلہ بن گئے۔ ادھر حضرت علی رض کا گروہ پیدا ہوا جو اضافے کرتے کرتے شیعہ بن گئے اور آگے باطنیہ۔ امامیہ اور قرامطہ وغیرہ پتہ نہیں کتنے فرقے بن گئے۔ ادھر معتزلہ کے بعد جبریہ۔ قدریہ اور معلوم نہیں کتنے فرقے بن کر لوگ اسلام سے دور ہوتے گئے۔

کیا وقت نہیں آگیا کہ تحقیق کر کے امت میں وحدت پیدا کی جاتے۔ اور ہم پھر مسلمان بن جائیں۔

وما علینا الا البلاغ
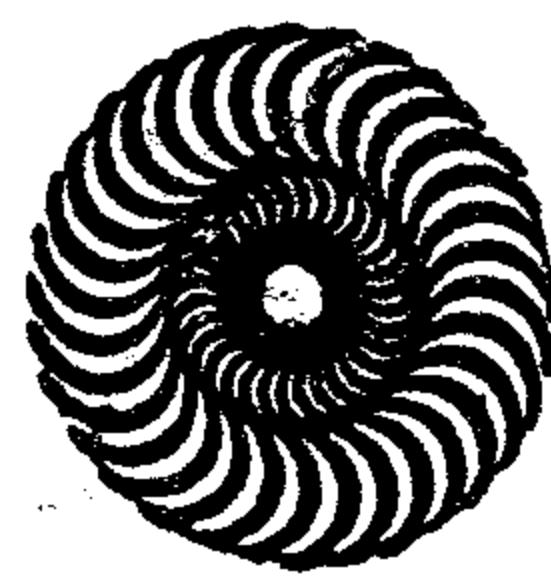
بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے
"لباس التقوٰی ذٰلک خیر"

بہ سلسلۂ مشاہیر علمائے سرحد

حافظ محمد ابراہیم صاحب فانیؔ
مدرس دار العلوم حقانیہ

مولانا صاحبزادہ حافظ سید احمدؒ

—— ایک علمی اور تاریخی شخصیت ——

کاروانِ کشتہ گانِ عشق، جماعت۔ دعوت وعزیمت، گروہ مجاہدانِ سربکف اور چند نفوس قدسیہ دین کے دلوں میں حمیت دینی اور سینوں میں غیرت ایمانی کا بحرِ زخار اور دریائے ناپیدا کنار موجزن تھا) پر مشتمل ایک قافلہ اپنا مختصر زادِ سفر لے کر سید المجاہدین حضرت سید احمد شہید کی زیر قیادت رائے بریلی سے روانہ ہوا۔ اور ہند کے مختلف صوبجات کو طے کرتے ہوئے باب الاسلام سندھ سے شالدرہ (کوئٹہ) وادی بولان پہنچے۔ درہ بولان سے پشین کے راستے سرحد عبور کرتے ہوئے قندھار اور غزنی کے بعد کابل میں چند روز قیام کیا۔ کابل سے یہ سرفروشانِ اسلام براستہ درہ خیبر جو کہ بقول حفیظ جالندھری مرحوم ؎

نہ اس میں گھاس اُگتی ہے نہ اس میں پھول کھلتے ہیں مگر اس سرزمیں سے آسماں بھی جھک کے ملتے ہیں

وادی پشاور میں وارد ہوئے۔ راستے میں جو بھی صاحب دل ان کی دعوت کی روح اور دور دراز سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کی حقیقت سمجھ لیتا۔ وہ اس صفِ مجاہدین سربکف میں شامل ہو کر اپنی جان سپاری پر مہر تصدیق ثبت کر دیتا۔ کیونکہ حضرت سید صاحبؒ جہاں بھی جاتے اور جس راستے سے ان کا گزر ہوتا۔ ترغیب جہاد کا الہامی ناقوس لوگوں کے دلوں میں حرارت ایمانی پیدا کرتا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس مختصر قافلہ نے ایک جیش پُر طیش اور فوج ظفر موج کی صورت اختیار کر لی۔ ؎

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانب منزل مگر لوگ کچھ ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

ان مومنانِ باایقان کا مقصد صرف اعلاء کلمۃ اللہ اور شعائر دین کو سکھ راج کی دست درازیوں سے آزاد کرنا تھا۔ لیکن دستور زمانہ کے مطابق زر پرست، اقتدار پسند، سکھ نواز اور کاسہ لیسانِ فرنگ ارباب ہوس خوانین اور ان کے حواریوں نے ان حضرات کو اپنے لئے اور اپنے جاہ وحشم۔ ریاست وسیاست اور قیادت وسیادت کے لئے خطرہ خیال کر کے ان کے درپے آزار ہو گئے۔ اور ان گدایانِ دیارِ عشق کے ساتھ ظالمانہ سلوک قتل و دغا الزام تراشی

اور بہتان طرازی کا ایک ایسا مظاہرہ کیا کہ تاریخ انسانیت اس پر حیران اور گردن نگوں ہو جاتی ہے۔

وہابی اگرچہ کوئی گالی نہیں لیکن شاطران فرنگ نے اس لفظ سے وہ کام لیا جو ان کے توپ و تفنگ اور تیغ و تلوار سے بایں طریق ممکن نہ تھا۔ یہاں بھی یہ لفظ اس مقدس و پاکیزہ تحریک کی ناکامی کا سبب بنا۔ مشائخ علماء سرحد میں جس شخصیت نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ وہ حضرت سید امیر صاحب عرف کوٹھے باباجی صاحب رحمہ اللہ ہیں۔ آپ نے شہید بالاکوٹ سید احمد شہید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی تھی۔ اور ان کے معتمد اور رفقاء خاص میں سے تھے۔ ان کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے مصائب و آلام کی دشوار گذار گھاٹیاں طے کیں۔ اور نہایت ہی کٹھن و صبر آزما مراحل سے گذرنا پڑا۔ لیکن آپ کے پائے استقلال و ہمت میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور اعلائے کلمۃ اللہ واحیائے سنت رسولؐ جیسے گوہر مقصود کے لئے اپنی عزت و ناموس اور رفعت و عظمت کو نثار کر دی۔ مندرجہ بالا شخصیت حضرت صاحبزادہ حافظ سید احمد صاحب اس تاریخی صاحب عزیمت شخصیت کے فرزند اور ان کے خلیفہ و جانشین ہیں۔

حضرت باباجی صاحب کے صاحبزادے: اللہ بخش یوسفی نے تاریخ یوسف زئی پٹھان میں حضرت باباجی صاحب رحمہ اللہ کے چار فرزند بتائے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔ محمد اسرائیل۔ سید محمود۔ سید احمد اور سید لطیف۔ اور تواریخ حافظ رحمت خانی میں پانچ فرزندوں کے نام درج ہیں۔ یہ مذکورہ چار اور پانچواں باچاگل۔ صاحبزادہ عبدالحئی ابن صاحبزادہ سید احمد نے مدح الابرار میں اپنے پشت وار تذکرہ میں اسی ترتیب سے جو کہ تاریخ یوسف زئی میں درج ہے۔ ان چار صاحبزادوں کا تذکرہ کیا ہے۔

اختر افغانی روحانی رابطہ میں رقم طراز ہیں۔ کہ تاریخ یوسف زئی میں ان کے چار فرزندوں کے نام درج ہیں —

لہ آپ کا مفصل تذکرہ نظم الدرر فی سلک السیر از ملا صفی اللہ۔ مدح الابرار و مخزن الاسرار از صاحبزادہ سید احمد روحانی رابطہ از قاضی عبدالحلیم اثر افغانی۔ تاریخ پشاور۔ از کپتان اے جی ہسٹنگز۔ تاریخ یوسف زئی پٹھان۔ از اللہ بخش یوسفی۔ سیرت سید احمد شہید و شاہ اسمٰعیل شہید و جماعت مجاہدین از غلام رسول مہر۔ تذکرہ علماء و مشائخ سرحد از امیر شاہ قادری۔ رسالہ مناقب حضرت جی از صاحبزادہ سید احمد صاحب رسالہ خوارق از مولوی غلام رسول صوفی اور رسالہ مظفر نامہ از مرزا عبدالاحد احمد کشمیری ملاحظہ ہوں۔

ٹہ جماعت مجاہدین میں مولانا غلام رسول مہر رقمطراز ہیں۔ (ملا صاحب کوٹھا) سید صاحبؒ کے مخلص ارادت مند تھے۔ بیعت اقامت شریعت کے بعد انہیں کوٹھا کا قاضی بنا دیا گیا۔ اور نیز ملا صاحب کا قول نقل کرتے ہیں۔ کہ "میں بیعت شدہ سید احمد بریلوی مرشد مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کا ہوں۔ ص ۲۶

محمد اسرائیل ۔ سید محمود ۔ سید احمد اور سید لطیف ۔ اور بحر الانوار میں صرف دو صاحبزادوں کے نام ذکر کیے گئے ہیں ۔ محمد اسرائیل ۔ سعید احمد (یہ دراصل سید احمد ہے) لیکن ان دونوں کتابوں کے بیانات صحیح نہیں ۔ کیونکہ حضرت باباجی صاحب رحمہ اللہ کے مشہور خلیفہ مولانا صفی اللہ خان صاحب جنہوں نے حضرت باباجی صاحب کی سوانح و سیرت پر مشتمل تین اہم تاریخی کتابیں لکھی ہیں ۔

۱ ۔ نظم الدرر فی سلک السیر ۲ ۔ مخزن الابرار ۔ ۳ ۔ بدر منیر ۔ انہوں نے حضرت جی صاحب کے صاحبزادوں کے حالات نہایت بسط و تفصیل سے بیان کئے ہیں ۔ ایک قصیدہ میں انہوں نے حضرت جی کے سات صاحبزادوں کا تذکرہ کیا ہے ۔ محمد اسرائیل ۔ سید محمود ۔ سید احمد ۔ سید لطیف ۔ سید ابدال ۔ سید عبدالوہاب اور سید عبداللہ [۱]

جناب اشرف افغانی صاحب نے جو تعداد بحوالہ نظم الدرر بتائی ہے یہ صحیح ہے کیونکہ مدح الابرار میں ان تمام صاحبزادوں کے نام مذکور ہیں ۔ صاحب بحر الانوار نے جو دو صاحبزادے ذکر کئے ہیں یہ قطعی غلط ہیں ۔ اب رہا معاملہ چار ۔ پانچ اور سات کا ۔ تو اس بارے میں راقم کہتا ہے ۔ کہ سلسلہ نسب ان چار فرزندوں کو تاریخ یوسف زئی میں اللہ بخش یوسفی اور مدح الابرار میں صاحبزادہ عبدالحئی نے ذکر کئے ہیں ۔ ان سے چل نکلا ہے اور تواریخ حافظ رحمت خانی میں جو نام باچا گل ذکر کیا گیا ہے یہ دراصل سید عبدالوہاب کا عرف ہے ۔ مدح الابرار میں آپ پر محمد انور کشمیری کا ایک مرثیہ بھی مذکور ہے جس میں اس کے عین عالم شباب میں موت پر اظہار افسوس کیا گیا ہے ۔ آپ کا سال وفات مطابق مرثیہ انور کشمیری ۱۲۹۳ھ ہے ۔ اس وقت حضرت جی بقید حیات تھے ۔

ایک اہم وضاحت | مولانا غلام مہر رسول جماعت مجاہدین میں رقمطراز ہیں :-

" ان کے اولاد نرینہ نہ تھی حقیقی بھانجے صاحبزادہ عبداللطیف کو خانہ داماد بنا لیا تھا وہ بھی اہل فاضل تھے ۔" مذکورہ بالا تصریحات کے بعد مولانا مہر کا بیان غلط فہمی پر مبنی ہے ۔ نیز آپ کے بھانجے کا نام صاحبزادہ عبداللطیف نہ تھا ۔ بلکہ صاحبزادہ عبدالرؤف جن کا تذکرہ اس مضمون کے ذیل میں آئے گا ۔

ولادت اور نام و نسب | آپ کا پورا نام صاحبزادہ حافظ سید احمد بن حضرت سید امیر حضرت جی صاحب رحمہ اللہ بن محمد سعید صاحب بن یار محمد صاحب بن عبدالغفور صاحب بن مہر بیگ صاحب بلقادری نقشبندی ہے ۔ آپ کے پردادا غزنی خراسان سے مغل شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں ۹۸۳ھ میں آئے [۲] اور یہاں یوسف زئی قوم اطمان قریہ کوٹھہ میں سکونت اختیار کی ۔ نظم الدرر میں بلقادر اور بعض مقامات پر بلقادر لکھا گیا ہے ۔ اس کے متعلق معلوم نہ ہو سکا ۔ کہ یہ کونسا مقام ہے ۔ آپ حضرت باباجی صاحب کے

---

[۱] روحانی رابطہ ص ۹۴ [۲] مدح الابرار

تیسرے صاحبزادے ہیں۔ ۱۲۵۶ھ کو موضع کوٹھہ میں پیدا ہوئے۔ اور لالہ گل کے عرف سے یاد کئے جاتے ہیں۔[1]

ابتدائی تعلیم | آپ آٹھ سال تک اپنے گھر پر رہے۔ ان کی تربیت اچھے طریقہ سے کی گئی۔ اس کے بعد پنہ کمالہ ئی غلہ ڈھیر ضلع مردان میں حافظ عبدالغفور صاحب کے پاس بھیجے گئے۔ اور ان سے حفظ قرآن شروع کیا۔ وہاں پر حضرت جی صاحب کے مرید خاص عبدالقادر خان خان آف طورو آپ کی نگرانی اور خدمت کرتے تھے۔ وہاں تقریباً چھ سات سال گذارے۔ پھر گاؤں تشریف لائے۔ اور فارسی نظم و خط وکتابت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اپنے خاندانی استاد شیر گل خان عرف گل اخونزادہ جو فارسی نظم میں مہارت رکھتے تھے، کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے آپ حضرت جی صاحب کے مرید اور خادم خاص تھے۔[2]

تحصیل علوم دینیہ | حفظ قرآن اور فارسی نظم و تحریر وکتابت کے بعد تحصیل علوم دینیہ کو توجہ دی۔ اور موضع ٹوپی میں صاحبزادہ عبدالرؤف صاحب عرف لالہ جی سے علوم منقولہ و معقولہ کا آغاز کیا۔ چونکہ صاحبزادہ عبدالرؤف صاحب بھی صوبہ سرحد کی عظیم علمی شخصیت ہیں اس لئے ان کا مختصر تذکرہ یہاں ضروری ہے۔

صاحبزادہ عبدالرؤف عرف لالہ جی صاحب | آپ کو خداوند قدوس نے خصوصی وہبی انعامات سے نوازا تھا نہایت ہی ذہین و فطین ذکی اور جامع المعقول والمنقول فاضل اجل اور بارع الکمال شخصیت تھے۔ حضرت جی صاحب کے بھانجے اور داماد تھے۔ توحید و سنّت کے عظیم مبلّغ اور علوم عقلیہ و نقلیہ کے باکمال مدرس تھے۔ سینکڑوں طلبہ نے آپ سے علوم درسیہ کی تکمیل کی۔ حضرت جی صاحب سے نسبت کی وجہ سے آپ پر بھی وہابیت کا الزام لگایا گیا۔ اور اس طرح مخالفین آپ کو قتل کرنے کی کوششوں میں لگے رہے۔

چنانچہ اللہ بخش یوسفی رقمطراز ہیں:-

عبدالرؤف صاحب کو قتل کرنے کی کوششیں ہوئیں لیکن مخالفین کامیاب نہ ہوسکے۔ بالآخر علاقہ پکھلی (ہزارہ) سے تین افراد نے یہ فیصلہ کیا کہ بیک وقت حضرت کوٹہ ملا مولوی اشرف علی زرو بی (؟) جو اپنے وقت کے مشہور عالم تھے اور مولوی عبدالرؤف کو قتل کر دیا جائے۔ اول الذکر دونوں ان قاتلوں کے ہاتھوں میں پھنس نہ سکے لیکن تیسرے نے مولوی عبدالرؤف کے آستانہ پر دستک دی۔ وہ باہر نکلے اور ابھی بات بھی نہ کر پائے تھے کہ ان پر مسلسل خنجر کے وار کئے گئے۔ تو وہ وہیں شہید ہوگئے۔[3]

آپ کی شہادت کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے۔ کہ آپ تہجد کے لئے مسجد تشریف لاتے تھے۔ قاتل نے آپ کو مسجد آنے سے پہلے ہی ان کا راستہ روک لیا تھا۔ پس جب وہ گھر سے نکلے تو۔ آپ پر خنجر سے وار کیا

---

[1] احمد نامہ [2] ایضاً [3] تاریخ یوسف زئی پٹھان ص ۵۵۰

اور بعض روایات کے مطابق آپ نماز تہجد میں مشغول تھے کہ قاتل نے گولی چلائی۔ اور عین حالتِ نماز میں مسجد میں شہید کردیئے گئے۔ آپ کی شہادت کا واقعہ ۱۹ اگست ۱۸۷۳ء مطابق ۱۲۹۰ھ پیش آیا۔ اس وقت آپ عالم شباب میں تھے۔ نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خاں بانی اسلامیہ کالج پشاور آپ کے صاحبزادے ہیں۔

آپ کی کئی تصنیفات ہیں جن میں مشہور ترین تصنیف "شہاب الثاقب لرجم القاضی علی الغائب" ہے اس کے بلیغ خطبہ میں فرماتے ہیں:۔

اما بعد فیقول العبد المفتاق الی رحمة ربه الخلاق عبد الرؤف بن قطب العالم اللودی نسبًا الحنفی مذهبًا النقشبندی مشربًا لما قرب خروج الدجال وبعد عهد انوار التنزیل اخذ الناس باتباع طلائعهم وتعاضوا فی لجات الاضلال والتضلیل واكبوا علی مناخرهم فی ابتغاء مرضاة المهوی ونبذوا وراءهم اقتفاء آثار السنة والهدی ترعهم بما لديهم فرحين عن اليمين والشمال عزين لقد صدق عليهم ابليس ظنه فلا يرى فيهم من الايمان لا اثرا ولا رسمًا ما بقى لديهم من الاسلام الا علما واسما الخ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔

دوسری تصنیف المامول حاشیہ فصول ہے۔ اصول الشاشی کی شرح فصول الحواشی کا حاشیہ المامول آپ کے قلم کا بہترین شاہکار ہے۔ اور بھی کئی تصنیفات ہیں جن کی تفصیل المامول کے صفحہ آخر پر دی گئی ہے۔

صاحبزادہ حافظ سید احمد صاحب نے آپ سے فقہ۔ اصول فقہ۔ اور منطق و معقولات کی بعض کتابیں پڑھی ہیں۔ مرزا عبدالاحد صاحب احمد کشمیری مظفر نامہ میں آپ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

ارسطو نہ تدبیر او جرعہ خوار فلاطون از و دانش آموز کار

علم حدیث و تفسیر کے لئے سفر ہندوستان ۱۲۷۹ھ میں ہندوستان اور بنگال کے لئے رختِ سفر باندھا۔ چند سال بنارس، پٹنہ اور کلکتہ میں گزار کر دہلی تشریف لاتے اور دہلی کے مشہور محدث مولانا سید نذیر حسین صاحب سے علوم تفسیر و حدیث کی تکمیل کی۔ اس وقت مولانا سید نذیر حسین صاحب علوم حدیث میں مشہور تھے۔ اور آپ کا حلقۂ درس کافی وسیع تھا۔ اس وجہ سے دور دراز سے طلبا علوم حدیث آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہوتے تھے۔

حج بیت اللہ کے لئے روانگی جب آپ مروّجہ علوم فقہ و اصول عقائد و کلام صرف و نحو معانی و بیان۔ عروض و قوافی ادب و میراث حکمت و ہیئت ریاضی و فلسفہ تاریخ۔ الجبرا و حساب تفسیر و حدیث مناظرہ و موسیقی اور کیمیا و منطق وغیرہ سے فارغ ہوئے۔ تو ۱۲۸۷ھ مطابق ۱۸۷۰ء میں حج و زیارت بیت اللہ شریف کا ارادہ کیا۔ وہاں پر سلطان کے کتب خانہ کا مطالعہ کیا۔ اور بہت سی نادر کتابیں اپنے پاس جمع کیں۔ حج و زیارت سے فراغت کے بعد اپنے بھائی سید لطیف کے بارے میں سنا کہ ریاست بھوپال میں بحیثیت نواب مقرر ہیں تو ان کے پاس چلے گئے۔

صاحبزادہ سید لطیف مرحوم حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چوتھے صاحبزادے ہیں۔ آپ ۱۲۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ مرزا عبدالاحد احمد آپ کے اتالیق تھے۔ جو فارسی کے پرگو شاعر تھے۔ مظفر نامہ آپ کی تصنیف ہے حصولِ علم کے بعد ہندوستان کی مشہور ریاست بھوپال تشریف لے گئے۔ اور ریاست کے نواب مقرر ہوئے۔ اس وقت نواب شاہ جہاں بیگم[1] کا ان کے ساتھ عقد نکاح زیر غور تھا۔ اور نواب صدیق حسن خان صاحب ریاست کے میر منشی تھے۔ مگر اس تجویز پہ اس لئے عمل نہ ہوا۔ کہ حضرت جی صاحب نے دعا کی تھی کہ اے خدا میرے بیٹوں کو دنیا کے کنوئیں سے نکال لیں۔

چونکہ آپ کا کافی عرصہ ریاست بھوپال میں قیام ہوا تھا۔ اور حافظ سید احمد صاحب بھی ان کے ساتھ تھے اس لئے ۱۲۸۸ھ کو واپس اپنے وطن تشریف لائے۔ اس کے بعد اسی سال یعنی ۱۲۸۸ھ کو نواب شاہ جہاں بیگم سید صدیق حسن خان صاحب کے عقد میں آئیں۔ بقیہ عمر تاحین موت اپنے گاؤں میں گزاری اور ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ بروز پنجشنبہ انتقال کر گئے۔ رحمہ اللہ[2]

صاحبزادہ عبدالحئی ناطق بن صاحبزادہ حافظ سید احمد صاحب نے ان پر دو مرثیے لکھے ہیں جن کے چند اشعار

---

[1] نواب شاہ جہاں بیگم نہایت علم دوست اور علماء پرور خاتون تھیں۔ خود بھی انشاء و شعر و ادب اور لغۃ فارسی میں ماہر تھیں۔ مولانا عبدالحئی صاحب نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۱۸۴ میں ان کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

واستفادت ادب الریاسۃ والسیاسۃ حتی برعت فی ذالک الاقران وامتازت بینھم فی القدرۃ علی ترجمۃ القرآن وتحریر رسائل الدینیہ وتقریب المسائل الدولیہ کان یضرب بہا المثل فی الذکاء والحفظ والکرم والحی الخ

جب ان کی والدہ ہوئیں ۱۲۸۵ھ میں تو آپ مسند ریاست پر براجمان ہوئیں۔ اس کے بعد جب آپ کے شوہر نواب باقی محمد خان کا انتقال ہوا تو ۱۲۸۸ھ میں سید صدیق حسن خان قنوجی کے عقد میں آئیں۔

مولانا عبدالحئی صاحب نزہۃ الخواطر میں ان کی فیاضی، سخاوت، علم دوستی، علماء پروری اور رعایا پسندی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

وکانت صاحبۃ الفضل والکرم وربۃ النعم عمرت الدیار واحییت المدارس العلمیہ وبنت المساجد العظیمۃ وقررت الوظائف الفخیمۃ وحفرت الاٰبار وغرست الحدائق والاشجار واحدثت العمائر الکبار واسبلت ذیول المنح والعطایا علی اہل الفضل من اہل الھند واھل الحرمین الشریفین والیمن والشام والعراق وغیرھا من البلاد (الی) وانفقت مالاً عظیماً علی طبع المصحف والتفسیر والحدیث واللغۃ وغیرھا من العلوم والفنون۔

آپ نے ایک مدرسہ جہانگیریہ کی بنیاد بھی رکھی۔ تصنیفات میں دو کتابیں زیادہ مشہور ہیں۔ دیوان شعر اور تہذیب نسواں۔ آپ کا انتقال صفر ۱۳۱۹ھ میں ہوا۔ رحمہا اللہ۔

[2] مناقب حضرت جی۔

درج ذیل ہیں:۔

بالکویم غم و افسانۂ خود — دادم از دست چوں جانانۂ خود
ملک الموت بیامد زِ الٰہ — برد سیمرغ [۱۳۱۰ھ] زکاشانۂ خود
از ربیع الاول و پنجشنبہ بروز — بلست و دو شد بہ شب تانۂ خود
مخزنِ لطف بود سید لطیف — شاہ بھوپال در زمانۂ خود
ناطقا جائے او بخلد بگو — صبر دہ بادلِ دیوانۂ خود

دوسرے مرثیہ کے چند اشعار۔

دلم شد پارہ در ہجر غمش یارب چہ تدبیر است — بجز صبرے نمے بینم دگر دارو کہ اکسیر است
در جنت کشا او را و داخل کن ز لطفِ خود — بر آور کام آں بیچارہ گر مقبول تقدیر است
ہزار و سہ صد و دہ [۱۳۱۰] بود از ہجری چوں روحش رفت — بہ پختہ مسکن از مسکن کہ از بس خام تعمیر است
فغاں بے عدد خیزد ز عبدالحیؒ بہ مرگِ او — کہ اسمش سید لطیف صاحب بخلقِ نیک تشہیر است[۱]

شغل تصوف | سفر حرمین و بھوپال سے واپسی پر آپ نے اپنے والد حضرت جی صاحب سے شغل تصوف شروع لیا۔ اور ان کے ہاتھ پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی۔

سلسلہ مشائخ یہ ہے:۔

حافظ صاحبزادہ سید احمد صاحب از سید امیر حضرت جی صاحب از حضرت خواجہ فضل حق صاحب۔ از حضرت خواجہ فضل احمد عرف حضرت جی پشاوری۔ از حضرت خواجہ محمد رسا صاحب۔ از حضرت خواجہ محمد پارسا صاحب۔ زخواجہ نقشبند ثانی۔ از حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب۔ از حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ الخ

حضرت جی صاحب نے یار محمد کابلی رحمۃ اللہ سے بھی بیعت کی تھی۔ بنا بریں حضرت حافظ صاحبزادہ کا سلسلہ ں ہے ۔ حافظ صاحبزادہ سید احمد از حضرت جی صاحب۔ از حضرت یار محمد کابلی از حضرت خواجہ سراج الدین۔ از ضرت محمد آفاق۔ از حضرت خواجہ ضیاء اللہ۔ از حضرت خواجہ محمد زبیر۔ از حضرت خواجہ نقشبند ثانی رحمہم اللہ۔

حضرت جی صاحبؒ نے آپ کو خلعت خلافت سے نوازا تھا۔ جب حضرت جی صاحب کا انتقال ۱۲۹۴ھ میں ہوا تو آپ ان کے خلیفہ اور جانشین مقرر ہوئے۔

حج بیت اللہ کے لئے دوبارہ سفر | والد صاحب کی وفات کے بعد دوبارہ ۱۳۰۲ھ میں حج بیت اللہ کے لئے

---

[۱] مناقب حضرت جی۔

عازم ہوئے۔ حج سے فراغت کے بعد مجددی خاندان کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ ابوالخیر مجددی سے ملاقات کی۔ اور ان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ انہوں نے آپ کو خلافت سے نوازا۔

سفر ہندوستان بغرض زیارات اولیاء | ۱۳۰۴ھ دل میں حضرات مشائخ کی زیارات کی تمنا پیدا ہوئی۔ اپنے ساتھ چند مریدوں کو لے کر سرہند اور دوسرے مقامات میں مشائخ کی زیارت کی۔ واپسی پر اپنے علاقہ میں تدریس وتلقین تصوف اور وعظ وتبلیغ کا آغاز کیا۔ چونکہ آپ کے ارادت مندوں کا حلقہ کافی وسیع تھا۔ اس لئے دور دراز سے لوگ آں محترم کی زیارت و وعظ سننے کے لئے آتے۔ صاحب احمد نامہ کے بیان کے مطابق بہترین خوش الحان حافظ قرآن تھے۔

باوجودیکہ جہاں گشتہ اور دنیاوی لحاظ سے فارغ البال تھے لیکن مزاج میں کسی قسم کا تعصب وتشدد نہ تھا۔ بلکہ فقیر منش اور گوشہ نشین شخصیت تھے۔

زیارت حرمین کے لئے تیسری بار عزم سفر | تیسری بار ۱۳۰۷ھ کو حج بیت اللہ کے لئے رخت سفر باندھا۔ مناسک حج سے فراغت کے بعد جب واپس وطن تشریف لاتے تو تادم واپسین اپنے گاؤں ہی میں رہے[1]۔

آپ کا مسلک | اگرچہ اوپر گذر چکا ہے کہ آپ نے تفسیر وحدیث کی تعلیم سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے حاصل کی تھی مگر آپ مذہب حنفی اور تقلید حضرت امام ابوحنیفہؒ پر کاربند تھے چنانچہ آپ کے صاحب زادے عبدالحی لکھتے ہیں۔

حنفی مذہب واولاد نیکاں
بہ ہر کس مے نمودش خاکساری[2]

مشہور تلامذہ اور مداحین علماء | اگرچہ آپ کے تلامذہ کی صحیح تعداد معلوم نہیں لیکن صاحب احمد نامہ کے مطابق نواب سید صدیق حسن خان صاحب آپ کے خرمن حکمت کے خوشہ چین تھے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔ صاحبزادہ حافظ صاحب کے بھائی صاحبزادہ سید لطیف صاحب بھوپال میں نواب تھے۔ اور نواب صدیق حسن صاحب وہاں پر میر منشی تھے۔ صاحبزادہ حافظ صاحب حج سے واپسی پر جب اپنے بھائی کے ہاں ٹھہرے تو نواب شاہجہاں بیگم نے آپ کی خوب خاطر تواضع کی۔ اور شاہی میزبانی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی۔ اس بارے میں صاحب احمد نامہ نے تصریح نہیں کی کہ نواب صاحب نے آپ سے کون سے علوم اور کونسی کتابیں پڑھی ہیں۔ البتہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حافظ صاحبزادہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تمام مروّج علوم میں مہارت دی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کی کتب سے بھی شناسائی رکھتے تھے۔ ہوسکتا ہے دربار بھوپال میں آپ نے صاحبزادہ صاحب سے استفادہ کیا ہو۔

مؤلف نزہتہ الخواطر مولانا سید عبدالحی حسنی رقمطراز ہیں:۔

---

[1] احمد نامہ [2] مناقب حضرت جی

ولقی العلماء والشیوخ ولقی بعض خلفاء السید الامام احمد بن عرفان الشہید ودعاتہ وھم یعطفون علیہ لان والدہ من اصحاب السیّد الشہید[1]

یہ اقتباس نواب صدیق حسن خان صاحب کے حالات سے راقم نے نقل کیا ہے۔ اگرچہ یہاں پر صاحبزادہ صاحب کے نام کی تصریح نہیں لیکن سابقہ بیانات اور تاریخی حالات سے یہ اندازہ بعید از قیاس نہیں کہ اس سے مراد صاحبزادہ صاحب ہوں گے کیونکہ ان کا یہ جملہ کہ لانّ والدہ من اصحاب السیّد الشہید۔ تو صاحب زادہ صاحب کے والد جیسا کہ مقالہ کی تمہید میں ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کے ساتھی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کرنے والوں میں سے تھے۔ پس ان تاریخی شواہد کے بعد جب ان کی ملاقات یقینی ہوگئی تو معاصرت اور ملاقات کے بعد استفادہ بعید از امکان نہیں۔

۲۔ صاحب احمد نامہ نے مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ کا نام بھی آپ کے تلامذہ میں لکھا ہے۔ چنانچہ احمد نامہ میں یہ شعر درج ہے۔

پہ دکن کښې ئې د علم شہرت ډیر دے

عبدالحیٔ او دا سے نور ے شاګردان

یعنی دکن میں آپ کا شہرۂ علم بہت زیادہ ہے۔ عبدالحیٔ اور اس طرح اور ان کے شاگرد ہیں۔ عبدالحیٔ کے ساتھ حاشیہ میں مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کی تصریح کی گئی ہے۔ معاصرت کے بارے میں تو کسی قسم کا اختلاف نہیں کیونکہ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی ۱۲۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ان کی تاریخ وفات ۱۳۰۴ھ ہے۔ جب کہ صاحبزادہ حافظ صاحب کی تاریخ ولادت ۱۲۵۶ھ اور سن وفات ۱۳۱۹ھ ہے۔

مولانا لکھنوی اپنے بارے میں ترجمۃ المؤلف کے زیر عنوان فرماتے ہیں۔

ولدت فی السادس والعشرین من ذی القعدۃ یوم الثلثاء سنۃ اربع وستین بعد الألف والمائتین من الھجرۃ فی بلدۃ باندہ حین کان والدی المرحوم مدرسًا بھا۔ واشتغلت بحفظ القرآن المجید من حین کان عمری نحو خمس سنین وفرغت عنہ حین کان عمری عشر سنین وفی اثناء ذالک قرءت بعض الکتب الفارسیۃ وغیر ذالک وبعد ما فرغت من الحفظ وکان ذالک فی جونفور شرعت فی تحصیل العلوم العربیۃ من حضرۃ الوالد المرحوم وقرءت علیہ جمیع الکتب الدرسیۃ من میزان الصرف الی تفسیر البیضاوی والقدیمۃ والنفیسی والشمس البازغۃ وغیرھا من کتب علم الحدیث والتفسیر والفقہ والاصول

---

[1] نزہۃ الخواطر ص ۱۸۷، ۱۸۸۔

وسائر کتب المنقول والمعقول وفرغت عن التحصیل حین کان عمری سبع عشرۃ سنۃ مع فترات وقعت بسبب الراحلتین۔ احدھما الرحلۃ من الوطن الیٰ حیدرآباد دکن۔ وثانیتھا من حیدرآباد الی الحرمین الشریفین ولم اقرأ شیئًا من الکتب العلمیۃ علیٰ غیر الوالد الا بعض کتب علم الریاضی کشرح التذکرۃ للبرجندی وللفخری وللسید السند ورسالۃ الاسطرلاب للطوسی وزیج الغ بیگ مع شرحہ للبرجندی وزیج بہادرخانی ورسالۃ فی النجوم فقد قرأتھا بعد وفاتہ علیٰ خالہ واستاذہ مولانا محمد نعمت اللہ المرحوم صاحب الید الطولیٰ فی العلوم الریاضیۃ وانا آخر من تلمذ علیہ[1]

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا اقتباس سے یہ معلوم ہوا کہ اس نے تمام علوم وفنون اپنے والد مولانا عبدالحلیم لکھنوی مرحوم اور مولانا نعمت اللہ لکھنوی سے حاصل کئے ہیں۔ اور یہاں صاحب احمد نامہ نے ان کو صاحبزادہ حافظ صاحب کے تلامذہ میں بھی شمار کیا ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ حیدرآباد دکن میں دونوں کی ملاقات ہوئی ہو۔ کیونکہ صاحب احمد نامہ نے جس شعر کا تذکرہ اوپر کیا ہے اس میں لکھا ہے کہ دکن میں بھی آپ کی شہرت علم بہت زیادہ ہے اور عبدالحی اور ان جیسے اور بھی ان کے بہت سے شاگرد ہیں۔ اس شعر میں دکن کی تصریح موجود ہے۔ اور مذکورہ بالا اقتباس میں بھی حیدرآباد دکن کا ذکر آیا ہے۔

آپ کے مادحین میں مولانا رحمت اللہ اور وزیر خان کے اسما صاحب احمد نامہ نے ذکر کئے ہیں۔ جیسا کہ فرماتے ہیں

پہ اگرہ او پہ مکہ کبنی ئے صفت کڑی مہاجر رحمت اللہ بل وزیر خان

مہاجر رحمت اللہ سے مراد مولانا رحمت اللہ کیرانوی مرحوم ہیں۔ برصغیر میں بلکہ تمام عالم اسلام میں تردید مسیحیت اور ابطال عقیدۂ تثلیث کے لئے ان جیسا مناظر موجود نہ تھا۔ مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ کی بنیاد رکھی۔ بقول حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مرحوم مولانا رحمت اللہ کیرانوی ان اکابرین میں سے تھے جنہوں نے تیرہویں صدی میں چودھویں صدی کے لئے دین کے تحفظ اعلاء واشاعت حق کا انتظام کیا۔

ردّ مسیحیت اور ابطال عقیدۂ تثلیث پر آپ کی کئی وقیع اور سنجیدہ کتابیں ہیں۔ مثلاً ازالہ اوہام۔ ازالہ شکوک اظہار الحق۔ اعجاز عیسوی۔ بروق لامعہ۔ معدل الموجاج المیزان۔ تقلیب المطاعن۔ احسن الاحادیث ابطال التثلیث۔ البحث الشریف وغیرہ کتب آپ کی جولانی کلک اور قلم حقیقت رقم کے بہترین شاہکار ہیں۔

مشہور پادری فنڈر نے جب وسیع پیمانے پر عیسائیت کا جال پھیلایا اور مناظرہ بازی، لٹریچر اور کتابوں کا گرم کیا تو اس کے لئے سب سے پہلے مولانا رحمت اللہ میدان میں آئے۔ اور اس کی کتاب میزان الحق کی تردید میں ساڑھے

---

[1] مقدمہ عمدۃ الرعایا ص ۲۹ والتعلیق الممجد علی الموطا امام محمدؒ

سو صفحات پر مشتمل ازالۃ الاوہام کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اسی طرح سلطان ترکی کی ایماء پر جب پادری فنڈر نے
وہاں بھی اپنی مذموم حرکات کا ارتکاب کیا (حالاں کہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے آگرہ میں اس کو اور اس کے تمام حواری
عیسائی مبلغین کو شکست فاش دی تھی) آپ ترکی تشریف لے گئے۔ اور وہاں چھ ماہ قیام کیا۔ اس شش ماہی قیام کے
دوران آپ نے شہرہ آفاق کتاب جس نے مسیحی دنیا کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ اظہار الحق تصنیف کی پہلی دفعہ جب اس کا
انگریزی ترجمہ لندن پہنچا تو لندن ٹائمز نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

"اگر لوگ اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی"

انگریزی کے علاوہ اس کا فرانسیسی، ترکی اور جرمنی زبان میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔ اردو میں اس کا بائبل سے قرآن تک
کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں مولانا اکبر علی صاحب اور مولانا محمد تقی عثمانی نے کیا ہے۔

ڈاکٹر وزیر خان صاحب علامہ رحمت اللہ کیرانوی کے ساتھی تھے اور انگریزی ماخذ میں مولانا کا ہاتھ بٹاتے تھے۔

مرض وفات اور انتقال ۱۳۱۹ھ بروز منگل چھ رمضان المبارک کو آپ کی طبیعت ناساز ہوئی۔ مرض بظاہر
معمولی معلوم ہوتا تھا لیکن بالآخر وہ پیک اجل ثابت ہوا۔ اور چھ دن کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ رمضان المبارک بروز
پیر ۱۹۔۱۳۱ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۰۱ء کو اس دار فانی سے انتقال کر گئے۔ دوسرے دن بروز منگل نماز جنازہ زروبی کے
مولوی محمد شریف اللہ نے پڑھائی۔ اور اپنے والد بزرگوار حضرت جی کے پاس موضع کوٹھہ میں مسجد و مقبرہ حضرت
جی میں سپرد خاک کر دئے گئے۔

مرثیہ کے چند اشعار آپ کے صاحبزادے صاحبزادہ عبدالحیٔ ناطق کے فارسی مرثیہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

دلم ترقد نہ ہجر گل بہاری	تو صبرم دہ بدل اے پاک باری
بجز راہ قدیمی رفتنی نیست	وہش ایں بر سر پل و ہست یاری
کلام خود کہ حق او را سپردہ	امانت ماند و حافظ رفت و قاری
زحج البیت سہ بارش شرفیاب	چہارم بار بود اندر تیاری
بعمر شصت و سہ شد سوئے جنت	قرارش زیں زلیس بردباری
سخاوت ظاہرش از شرق تا غرب	شجاعت در نہادش ذوالفقاری
زعلم ظاہر و باطن خبردار	تصوف شغل او لیس النہاری
حنفی مذہب و اولاد نیکاں	بہ ہر کس مے نمود مثل خاک ساری
نمودہ صحبت شاہ ابو الخیر	کہ شیخ اکبر است در نقشہ کاری
رساند کے خبر در بارگاہش	کہ ما زونت خدا را سر بہ زاری

سویم فرزندیسے کوهثوی بود — بہ عرفش لالہ گل معروف داری

قدم بنہاد چوں درباغ شاہی — ز غیب آمد صدا در انتظاری

زلفظِ باغ شاہی سال ہجرش — ہزار و سہ صد و دہ نہ شماری

دوشنبہ وقت اشراق و ز رمضاں

دہ و دو قطع شد چوں رشتہ داری

تالیفات وتصانیف | ۱۔ مدح الابرار۔ اپنے والد حضرت جی صاحب رحمہ اللہ پر جتنے مدحیہ اشعار پشتو زبان میں لکھے گئے ہیں ان تمام اشعار کو اس کتاب میں جمع کردئے ہیں۔ اصل قلمی نسخہ سے ان کے صاحبزادے صاحبزادہ عبدالحی نے نقل کرکے اور اس میں اضافہ کرکے لاہور سے چھپوائی۔

۲۔ مخزن الاسرار۔ یہ کتاب دراصل مولوی صفی اللہ خٹک کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں حضرت جی کے حالات اور تصوف کے اسرار و رموز درج ہیں۔ صاحبزادہ حافظ صاحب نے اسے مرتب کیا ہے۔

۳۔ مناقب حضرت جی۔ حضرت جی پر عربی اور فارسی میں جو قصیدے اور مرثیے لکھے ہیں حافظ صاحب نے ان کو اس رسالہ میں یکجا کردیا ہے۔

اولاد | آپ کے پانچ صاحب زادے ہیں۔

۱۔ صاحبزادہ محمد عیسیٰ۔ ولادت ۱۲۸۳ھ

۲۔ صاحبزادہ عبدالحی۔ ولادت ۱۲۹۰ھ

۳۔ صاحبزادہ حافظ عبیداللہ

۴۔ صاحبزادہ محمد عمر۔ ولادت ۱۳۰۰ ״

۵۔ صاحبزادہ سید اسحاق۔ ولادت ۱۳۰۲ھ

ڈاکٹر محمد یوسف خان شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

عربی ادب
اور
قرآن مجید

ادب علوم وفنون کی روح۔ ہماری زندگیوں کا ماحصل ہے۔ ہمارے جذبات اور افکار واحساسات کا خلاصہ اور انسانی عقول اور قلوب واجسام پر حکمرانی کرنے کا ایک موثر طریقہ ہے۔ ادب ایک موثر قوت ہے جو اخلاق و عادات کو اپنے مطابق ڈھال لیتی ہے۔ ادب ایک موسیقی ہے جو اپنے ساز کی تاثیر سے قوموں کو مست خرام اور مائل بعمل رکھتی ہے۔ ادب ایک صیقل ہے جس کے ذریعہ قوموں کے دلوں اور ان کے اخلاق کو مانجھا جاتا ہے۔

ادب میں الفاظ اور شگفتہ اسلوب میں ما فی الضمیر کے اظہار کا نام ہے۔ تاکہ اس کے واسطہ سے معانی براہ راست سامع یا قاری کے دل میں ڈال دیئے جائیں۔ ادب کی اسی اثر آفرینی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:-

"انّ من البیان لسحرا وان من الشعر لحکمۃ"

ادب اپنے زمانہ کی پوری تصویر اور صحیح تاریخ ہوتا ہے۔ آپ کسی دور کا ادب پڑھ کر اس عہد کے لوگوں کا اعتقاد، علمی سطح اور عملی قوتوں کا پورا پورا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ادب کی دو قسمیں | ادب میں انسانی جذبات واحساسات کی ترجمانی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ انسانوں کے جذبات واحساسات، میلانات وعواطف بدلتے رہتے ہیں۔ جو اپنے ساتھ نئے نئے تقاضے پیدا کرتے ہیں۔ ان جذبات و احساسات کے تحت پیدا ہونے والے مختلف تقاضوں کی موثر تفسیر ادب کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ انسانوں کے جذبات ومیلانات کبھی بلند ہوتے ہیں اور کبھی پست، انسانیت کے احساسات ومقتضیات کبھی عالیہ ہوتے ہیں اور کبھی سافلہ۔ لہذا ادب کے بھی دو حصے ہوجاتے ہیں۔ جو ادب مقتضیات عالیہ کی ترجمانی کرتا ہے وہ ادب عالی ہے اور جو احتیاجات کی ترجمانی کرتا ہے ادب سافل کہلائے گا۔ تو ادب کامل وہی ہوگا جو تمام مقتضیات انسانی کو پورا کر رہا ہو۔ ادب کی اس تعریف کو مدنظر رکھتے ہوئے جب ہم کسی زبان کے ادب کا مطالعہ کریں گے تو ہمیں اس کی شاعری اور نثر میں متنوع مضامین، اختلاف آراء، وافکار، احساسات وجذبات دیکھنے پر تناقض وتضاد نظر آئے گا۔

عربی ادب پر خدا کی عنایت خصوصی | عربی زبان اور اس کے ادب کا مطالعہ کرنے سے یہ بات کھل کر واضح

جاتی ہے کہ اس زبان و ادب پر اللہ کی خاص عنایت رہی ہے۔ خدا جب کسی انسان کو نبوت دیتا ہے تو اس کی ایک خاص انداز اور مخصوص ماحول میں نشو و نما کرتا ہے۔ اسی طرح جب اس نے عربی زبان کو اپنے آخری پیغام ہدایت کے لئے چنا تو اس کے ابتدا ہی سے ایک الگ انداز سے اپنی نگرانی و حفاظت میں پروان چڑھایا اور جب اس زبان کا ادب اس معیار و مقام پر پہنچ گیا کہ کلام خداوندی کا متحمل ہو سکے تو اس میں قرآن مجید نازل کیا جو ادب عربی کا اعلیٰ و مکمل نمونہ ہے۔

قرآن مجید عربی ادب کی بلند ترین مثالی کتاب ہے

قرآن مجید نے ادب میں حریت فکر و وسعت نظر، پاکیزگی تخیل، بلند معانی پیدا کئے ادب عربی قرآن پاک کے نزول سے قبل حسن و شوکت کے ساتھ بیشتر جذبات سافلہ کی ترجمانی میں لگا ہوا تھا۔ قرآن پاک نے آکر ادب عربی کو لفظی و معنوی حسن کے ساتھ جذبات عالیہ کی ترجمانی کے آداب سکھائے۔ اور یہ قرآن مجید ہی کی تعلیم کا فیضان ہے کہ آج عربی ادب تمام دنیا کے علوم و افکار سے بھرا پڑا ہے میری نظر میں عربی ادب و زبان کا محور قرآن مجید ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ زبان قرآن مجید کو اپنے اندر لینے کی تیاریاں کر رہی تھی مگر قرآن مجید کے نزول کے بعد یہ اسی کی خادم بن گئی۔

اسی طرح صرف نحو، معانی، بیان، لغت و تفسیر، حدیث و فقہ، علم کلام، سب ہی قرآن مجید کے معانی و مطالب حل کرنے کے لئے وجود میں آئے۔ حتیٰ کہ جب عربوں نے تاریخ و جغرافیہ و دیگر علوم کو اپنایا تو وہ بھی قرآن مجید کے احکام و ہدایات کو سمجھنے اور ان پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی ایک کوشش تھی۔ تاریخ ادب عربی کا مطالعہ کرنے والا دیکھے گا کہ زبان عربی جس نازک ترین مرحلوں سے جان بچا کر نکل آئی۔ یہ محض قرآن مجید کی قوت کا نتیجہ تھا۔ ورنہ دنیا کی بیشتر زبانیں ذرا سے صدمہ کو نہ برداشت کر کے ختم ہو گئیں۔ اور اب ان کو کوئی نہیں جانتا۔ عربی زبان و ادب پر یہ قرآن مجید کا عظیم احسان ہے کہ اس نے اسے آفاقیت اور حیات جاوید سے ہم دوش کر دیا۔

قرآن مجید نے الفاظ و معانی کے ذریعہ اثر آفرینی کے سلسلہ میں حقائق پسندی نفع بخشی اور افادی ہمہ گیری کو ملحوظ رکھنے کا درس دیا۔ اور حقیقت پسند ادب کا نمونہ پیش کرتے ہوئے اس قدیم مقولہ کی تردید کر دی کہ " ان اعذب الشعر اکذبہ" قرآن مجید نے ادب کو پاکیزہ و بلند اقتدار سے روشناس کرایا۔ اور ادب کا مقصود تزکیہ نفوس متعین کیا۔ اس نے بتایا کہ انسانوں کو دیگر حیوانات سے جو صفت ممتاز کرتی ہے وہ ادبی تحقیق کی طاقت ہے۔ قرآن مجید نے ادب کے لئے جو نام مقرر کیا وہ " البیان" ہے۔ سورۂ رحمٰن میں جہاں اس نے علّمہ البیان کہا ہے تو اس سے مراد ادب ہی ہے۔

قرآن مجید نے ادب کا رخ عدل و انصاف، خدمت انسانیت، تائید حق و صداقت، نفاست پسندی عفت و حیا اور خدا پرستی کی طرف پھیر دیا۔ اس نے ہر موضوع کو بیان کرنے کے لئے مناسب اور پر وقار اسالیب

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بانیٔ دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
تاریخ کی ایک زندہ جاوید شخصیت

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی مندرجہ ذیل تقریر یہ آل انڈیا ریڈیو دہلی سے نشر ہوئی تھی جو بانیٔ دارالعلوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی شخصیت اور خدمات کا مختصر سا تعارف ہے۔ (ادارہ)

میری اس تقریر کا موضوع ہندوستان کی اسلامی تاریخ کی ایک زندہ جاوید شخصیت حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ دارالعلوم دیوبند ہے۔ حضرت ممدوح کی ولادت ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) اور وفات ۱۲۹۷ھ (۱۸۷۹ء) میں ہوئی۔ اس ۴۹ سال کی قلیل مدت میں آپ نے اسلامی اور قومی خدمات کے سلسلہ میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ صدیوں کی وسعت کے تھے جنہیں ہندوستان ہی نہیں پوری اسلامی دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

۱۸۵۷ء میں آپ نے اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں ہندوستان سے غیر ملکیوں کا قبضہ اٹھانے کے لئے جنگ لڑی لیکن جنگ میں شکست ہوگئی اور ملک پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہوگیا۔ اس سے تمام ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے اور ان میں احساس کمتری کے ساتھ ایک مایوسی پھیل گئی۔ ادھر مشنریوں نے عیسائی اقتدار کے زیر سایہ صاف صاف یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ انگریزوں کے لئے یہ ملک (ہندوستان) عیسیٰ مسیحؑ کا عطیہ اور امانت ہے۔ اس لئے اس میں مسیحی مذہب ہی کی اشاعت اور تبلیغ ہمارا نصب العین ہے اور ساتھ ہی کھلے بندوں ہندوستان کے تمام مذاہب اور خصوصیت سے اسلام پر افتراءات اور اتہامات کی بوچھاڑ بھی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کے باشندے مایوسی میں مبتلا ہو کر اور بالخصوص مسلمان اس ابھرتی ہوئی مغربی تہذیب و تعلیم سے الحاد و دہریت کی رَو میں بہنے لگے۔ اور صاف نظر

آنے لگا۔ کہ اگر یہی سیل ونہار رہے تو وہ دن دور نہیں کہ آئندہ نسلیں خواہ وہ کسی بھی قوم سےہوں خود اپنے اخلاقی نظام اور تہذیب و کلچر سے بیگانہ محض ہوکر رہ جائیں گی۔

حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے اپنے نورِ معرفت سے وقت کی رفتار اور اس کے خطرناک نتائج کا اندازہ لگایا اور باشارات غیب ہندوستان کے تمام باشندوں کو بجائے آپس میں الجھنے کے ایک عالمی نقطۂ نظر پر ڈال دینے اور قوم میں ایک ذہنی انقلاب لانے کی ضرورت محسوس فرمائی۔ تاکہ یہ احساس کمتری دور ہو۔ اس کے لئے آپ نے تعلیم و تربیت کا راستہ اختیار فرمایا۔ جو بے ضرر اور رسمی سیاست سے دور تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اپنی ایمانی فراست سے چھنے ہوئے اقتدار کا نعم البدل تعلیمی راہ سے حریت فکر کے بقا و ارتقار کو قرار دیا۔ اور اپنا یہ عظیم مقصد ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۶ء) میں دارالعلوم دیوبند قائم فرماکر بآسانی حاصل کرلیا۔ اس الہامی نقطۂ نظر کے تحت دارالعلوم دیوبند محض ایک مدرسہ نہیں بلکہ حریت فکر اور استقلال وطن کے جذبات کو زندہ رکھنے کا ایک ہمہ گیر مکتب فکر اور عظیم تحریک ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد مولانا محمد قاسمؒ نے مقصد کی اہمیت کے تحت ملک گیر پیمانہ پر مدارس قائم فرمانے شروع کئے۔ اور بنفس نفیس خود جاکر مرادآباد۔ گلاؤٹھی۔ امروہہ اور مظفر نگر وغیرہ میں مدارس قائم فرمائے۔ اور جابجا اپنے متوسلین کو زبانی اور خطوط کے ذریعہ قیام مدارس کی ہدایت فرمائی۔

چنانچہ بہت سے مدارس ہندوستان میں حضرت کی زندگی ہی میں قائم ہوگئے۔ اور پھر حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے حریت فکر کے امین فضلاء نے پورے ملک میں حتیٰ کہ انہیں فضلاء نے ایشیا، افریقہ اور یورپ کے ممالک میں بھی اسی قاسمی طرز فکر پر تعلیم گاہیں قائم کیں اور میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ آج انگلستان میں یہ قاسمی فکر فروغ پارہا ہے۔ عالمی پیمانہ پر ہندوستان میں صفت تعلیم کا سب سے پہلا عوامی مرکز مدرسہ دارالعلوم دیوبند ہے جس کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو صاحب دل علماء اور صداقت شعار رفقاء کار حضرت مولانا رشید احمد صاحب۔ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمہم اللہ وغیرہ کا مخلصانہ تعاون حاصل رہا۔ یہی دارالعلوم دیوبند آج ایشیا کی سب سے بڑی اسلامی مرکزی اور اقامتی یونیورسٹی بن کر ایک خاص مکتب فکر کی حیثیت سے بین الاقوامی شہرت و عظمت کا حامل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند کو ایسے اصولوں پر قائم فرمایا جن کے تحت روز اول سے یہ درس گاہ ایک عوامی ادارہ کی پوزیشن میں نمودار ہوئی۔ چنانچہ حضرت والا نے اس سلسلہ میں آٹھ اصول اپنے دست مبارک سے لکھے جو دارالعلوم کے تاریخی ریکارڈ میں آج بھی موجود ہیں۔ اور آج تک ہر دور میں بانئ دارالعلوم کے ان الہامی اور اساسی رہنما اصولوں کی پوری پوری حفاظت و رعایت کی جاتی رہی ہے

صول درحقیقت دارالعلوم دیوبند کی معنوی بنیادیں ہیں۔ جن پر اس کی ظاہری اور باطنی تعمیر کھڑی ہوئی ہے اور نہ
ہرف دارالعلوم کی بلکہ ان تمام مدارس چندہ کی بھی اساس ہیں۔ جو دارالعلوم دیوبند کے رنگ پر حضرت مولانا محمد قاسم
ساحبؒ اور ان کے متوسلین نے قائم فرمائے۔ چنانچہ ان اصول ہشتگانہ پر حضرت اقدس نے سرخی بھی یہی فرمائی کہ

"وہ اصول جن پہ مدارس چندہ بنی معلوم ہوتے ہیں"

یہی ہمہ گیر اصول قیام مدارس کی اس اجتماعی تحریک کی بنیاد ہے جس سے ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کے
سلمانوں کو نئی زندگی اور نشاۃ ثانیہ ملی۔ ان اصول کے مطابق حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند
و صرف عوامی چندوں پر قائم فرمایا تاکہ اس میں ابتداء ہی سے ہمہ گیری کا عنصر نمایاں رہے۔ اور یہ دارالعلوم
ہندوستان کے غریب عوام کا ادارہ ثابت ہو۔ ساتھ ہی اصول میں یہ ہدایت بھی ہے کہ اس مدرسہ کے لئے جائداد و
ر کارخانہ ہائے تجارت سے کسی مستقل آمدنی کا کوئی بندوبست نہ کیا جائے۔ ایسا کرنے پر امداد غیبی منقطع ہو
ائے گی۔ رجوع الی اللہ کا سرمایہ ہاتھ سے جاتا رہے گا اور کارکنوں میں پھوٹ پڑ جائے گی جس کو ان کے مخلص رفیق
ر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ نے اپنی ایک طویل نظم کے بعض اشعار میں بایں الفاظ ظاہر فرمایا ہے ؎

اس کے بانی کی ہے وصیت کہ جب اس کیلئے
کوئی سرمایہ بھروسہ کا ذرا ہو جائے گا
پھر یہ قندیل معلّق اور توکل کا چراغ
یوں سمجھ لینا کہ بے نور و ضیا ہو جائے گا

ان اصول میں خصوصیت سے اسے اہمیت دی گئی ہے کہ تعلیم مکمل طریق پر آزاد رہے جو اجتماعیت کی روح
ہے پھر اس کے ساتھ اصولاً معاملات دارالعلوم کو مشورہ کے اصول پر قائم فرما کر اس کو اس عہد استبداد میں جمہوریت
نقیب بنا دیا گیا اور خاص طور پر ذمہ دار ادارہ (مہتمم) کے لئے یہ ہدایت فرمائی کہ وہ علاوہ مقررہ اہل شوریٰ کے
سے واردین صادرین سے بھی مشورہ کرے جو مدارس کے خیر خواہ اور ان سے دلچسپی رکھتے ہوں۔ یہ اصول حضرت
لانا محمد قاسم صاحبؒ بانی دارالعلوم کے ہمہ گیر اور اجتماعی فکر کے ناقابل انکار شواہد ہیں اور انہی سے دارالعلوم
دیبند کی نوعیت، اہمیت بھی واشگاف ہو جاتی ہے۔ انگریزوں کے قومی استبداد کو توڑنے کے لئے جس کا رخ
صوصیت سے مسلمانوں کی طرف تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اپنی ہمہ گیر سیاسی رہنمائی سے اس
ر کی خلافت، اسلامیہ یعنی خلافت ترکی کی تائید کی طرف مسلمانوں کو خاص طور پر جھکایا۔ سلطان ترکی کی مدح میں
سیدے لکھے، اور بحیثیت خلیفۃ المسلمین اور خادم الحرمین ہونے کے مسلمانوں کو ان کی طرف مائل کرتے رہے
ی دور میں جنگ روم و روس ہوئی تو خود بہ نفس نفیس جگہ جگہ دورے کر کے ترکوں کے لئے ہزاروں روپیہ روانہ

فرمایا اور خود اپنے گھر بار کا تقریباً بڑا سامان بطور چندہ تحریک خلافت کے لئے روانہ فرما دیا تاکہ خلافت سے وابستہ رہ کر ملی اجتماعیت برقرار اور شیرازہ بند رہے۔ اس جذبہ سے ملک کی دوسری قوموں کو بھی ہمدردی تھی اور اسی کا اثر تھا کہ جب مسلمانان ہند نے احیاء خلافت کی تحریک شروع کی تو بلا تفریق مذہب وملت ملک کی تمام مذہبی اکائیاں متفق، متحد ہو کر اس میں برابر کی شریک رہیں اسی اجتماعیت پسندی کی وجہ سے مولانا مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ حج کی ترغیب دیتے تھے۔ کہ بذات خود حج ایک اجتماعی اور بین الاقوامی عبادت ہے تاکہ مشرق ومغرب کے مسلمان یک جا جمع ہو کر باہم وابستہ ہوں اور ان کی بین الاقوامی اجتماعیت کا رشتہ مضبوط ہو اور ساتھ ہی ترکی خلافت سے بھی انہیں وابستگی رہے۔ یہ تفصیل فکر قاسمی کے ان تین بنیادی عناصر کو واشگاف کر دینے کے لئے کافی ہے۔ کہ ملت کا بقار وارتقار تعلیم کی ہمہ گیری، ذوق اجتماعیت کے عموم اور مرکزیت سے باعظمت وابستگی رہی میں مضمر ہے۔ آخر کار یہی روح ان کے تدریبیت یافتوں میں بھی راسخ ہوئی۔ اور ان کے بعد ان کے شاگرد رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ اس قاسمی فکر کے امین بنے اور ان کے بعد حضرت کے خلف الرشید حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے علمی امین بنے۔

ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے حضرت شیخ الہندؒ نے ریشمی خطوط کی تحریک اٹھائی اور پانچ برس مالٹا میں انگریز کی قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں۔ ان کے بعد ان کے ہزارہا شاگردوں میں بھی رنگ جوہر نفس ہوتا رہا۔ جن میں خصوصیت سے قابل ذکر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا کفایت اللہ دہلویؒ۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ، حضرت مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاریؒ وغیرہم تھے۔ جنہوں نے بالآخر ہندوستان کو آزاد کرایا اور انجام کار ان بزرگوں کا وہ وحدت عالم اسلام کا خواب اب تعبیر کے قریب ہوتا جا رہا ہے۔ آخر عمر میں آپ نے بطور خاص اس تمنا کا اظہار فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں یورپ پہنچ کر بتاؤں کہ حکمت وہ نہیں ہے جسے تم غلط فہمی سے حکمت سمجھ رہے ہو۔ بلکہ حکمت وہ ہے جس سے دنیا وعقبیٰ دونوں کے انکشافات تم پر عیاں ہو سکتے ہیں۔

مباحثہ شاہجہاں پور کا واقعہ وہ تاریخی موڑ ہے کہ اس میں حضرت نے ہندو مسلمان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی انگریزی سیاست کا رخ انگریزوں کی طرف موڑ دیا جس کا اعتراف اس دور کے ہندو زعماء نے یہ کہہ کر کیا کہ یہ مولوی ہے جس نے ہندوستان کی لاج رکھ لی۔ یہ روشن حقائق اس عظیم حقیقت کو طشت ازبام کرنے کے لئے کافی ہیں کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی شخصیت ایک عالمی اور تاریخ ساز شخصیت تھی اور ان کے شیخ ومرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا یہ قول کہ "کئی صدی کے بعد اللہ نے مولانا محمد قاسم صاحبؒ جیسی شخصیت پیدا فرمائی ہے" ان کی عظمت واہمیت کے باب میں بلا خوف تردید حرف آخر قرار دیا جا سکتا ہے۔ +

يَا يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۝

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
EAGLE
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ
EAGLE
IRIDIUM
ہر
جگہ
دستیاب
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

SOHRAB
پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سہراب

قاضی محمد ارشد الحسینی
فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، پروفیسر اسلامیات
کیڈٹ کالج حسن ابدال

فقہ حنفی اور مختصر تذکرہ امام ابو حنیفہؒ

آپ کا اسم گرامی نعمان اور والد ماجد کا نام ثابت تھا۔ ۸۰ ہجری میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر ابھی چودہ سال کی تھی کہ مشہور صحابی عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ۹۴ ہجری میں کوفہ تشریف لائے۔ آپ ان کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور ان سے یہ حدیث سنی۔ آپ نے فرمایا:

سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول حبك الشئ یعمی ویصم[۱]

ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام سے بھی آپ ملاقات اور سماع ثابت ہے۔ یہ وہ شرف ہے جو ائمہ مجتہدین میں سے کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔ آپ نے اپنے زمانہ کے جلیل القدر علماء کرام سے حدیث پڑھی آپ کی مسموعات اور احادیث کی سندات اس قدر زیادہ تھیں کہ کئی صندوقوں میں بند کرنی پڑیں۔ صحابہ کرام کے علاوہ تین سو تابعین سے آپ نے علم حاصل کیا۔ دوسرے دینی علوم میں آپ کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار علماء بیان کی گئی ہے۔ آپ کی جمع کردہ احادیث کو کتابی شکل میں بہ نام مسند ابی حنیفہ شائع کیا گیا ہے۔ آپ کی دیگر تصانیف اس قدر مفید اور علم دین کے لئے راہنما ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

"جو شخص امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں کو نہ دیکھے گا وہ علم میں متبحر نہ ہوگا اور نہ فقیہ ہوگا۔"

آپ کی فقاہت اور تحقیق و تدقیق مسلّم تھی۔ امام سفیان ثوری نے فرمایا۔

"ابو حنیفہ افقہ اہل ارض ہیں یعنی دنیا میں سب سے زیادہ فقہ دان ہیں۔"

امام ابوحنیفہؒ صرف عالم اور محقق ہی نہ تھے بلکہ عالم باعمل اور تزکیہ نفس کے بہت بڑے مقام پر فائز تھے۔ آپ کے روحانی خلفاء میں سے ابراہیم بن ادہم اور شفیق بن ابراہیم بلخی جیسے اولیاء کرام بھی تھے دربار نبوت میں آپ کی مقبولیت کا اندازہ حضرت علی ہجویری (داتا گنج بخش) رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ ذیل خواب سے ہوسکتا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

میں ملک شام میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے روضہ مبارک میں سویا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے تشریف لا رہے ہیں۔ اور ایک بوڑھے

کو اپنی بغل مبارک میں اس طرح اٹھایا ہوا ہے جیسا کہ بچوں کو اٹھاتے ہیں۔ میں نے حاضر ہو کر قدم مبارک پر بوسہ دیا۔ امام الانبیاء نے اپنی معجزہ شانی سے میرے دل کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میری بغل میں جو خوش بخت ہے۔ یہ تیرا اور تیرے علاقے کے لوگوں کا امام ہے (یعنی ابوحنیفہ)

(کشف المحجوب فارسی صفحہ ۹۹، ۱۰۰)

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فقہ حنفی کے مقلد تھے۔ اسی طرح مشہور روحانی بزرگ قطب ربانی امام عبدالوہاب شعرانی شافعیؒ نے فرمایا:-

جب مجھ کو حق تعالیٰ کے احسان سے عین شریعت پر اطلاع ہو گئی تو میں نے کشف میں کل مذاہب کو شریعت کے دریا سے پایا۔ اور ائمہ اربعہ کے مذاہب کو دیکھا کہ ان کی نہریں جاری ہیں اور سواد اعظم ان کے آب زلال سے سیراب ہو رہا ہے۔ اور سب سے بڑی نہر امام ابوحنیفہؒ کے مشاہدہ میں آئی۔ پھر اس کے بعد امام مالکؒ۔ اس کے بعد امام شافعیؒ۔ پھر امام احمد بن حنبلؒ کی۔ (المنن الکبریٰ)

آپ کے کمالات اور فضائل پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان کے تقویٰ میں اس سے بڑھ کر کیا کہا جا سکتا ہے کہ:-

۱۔ کعبہ مبارک کے اندر آپ کو پورا قرآن کریم ختم کرنے کی سعادت ملی جبکہ آپ سے پہلے صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ۔ تمیم داری رضی اللہ عنہ۔ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اس فضیلت سے مشرف ہوئے تھے۔

۲۔ ہر ماہ میں قرآن کریم تیس بار ختم کرتے تھے۔

۳۔ رمضان المبارک میں ۶۱ قرآن پاک ختم کرتے تھے۔

۴۔ روزانہ چار سو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے اور اکثر ایک رکعت میں پورا قرآن پاک پڑھا کرتے تھے۔

۵۔ آپ نے پچپن حج کیے تھے۔

۶۔ قرآن کریم کے ساتھ اس قدر عشق و عقیدت کے علاوہ حدیث سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا علمی اور محدثانہ جو تعلق اور مرتبہ تھا اس کے لئے یہی کافی ہے کہ امام بخاری اور دوسرے محدثین آپ کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔ جیسا کہ امام بخاری نے مکی بن ابراہیم سے اور انہوں نے ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے۔ اسی طرح امام بخاری نے عبدان سے اور انہوں نے عبداللہ بن مبارک سے اور عبداللہ نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے۔ اسی طرح امام بخاری کی چوتھی سند میں آپ کے استاد عبداللہ بن یوسف ہیں۔ اور عبداللہ نے امام لیثؒ سے روایت کی ہے۔ جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ اس طرح دوسرے محدثین کرام بھی بالواسطہ

ام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ خود امام ابو حنیفہؒ نے جو کتاب حدیث کی بطور مسند کے مرتب فرمائی ہے وہ پندرہ طریقوں سے روایت کی گئی ہے۔ یعنی

- حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی معروف بالاستاذ
- امام حافظ ابوالقاسم طلحہ بن جعفر الشاہد العدل
- امام حافظ ابوالحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ بن محمد
- امام حافظ ابونعیم اصبہانی الشافعی
- الشیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی بن محمد انصاری
- امام ابو محمد عبداللہ بن عدی الجرجانی
- امام حافظ عمر بن الحسن شیبانی
- ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی
- امام القاضی ابو یوسف
- امام محمد بن الحسن شیبانی
- امام حماد بن امام ابی حنیفہ
- امام محمد مرتب کتاب الآثار
- امام حافظ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن ابی العوام السعدی
- امام حافظ ابو عبداللہ حسین بن محمد بن خسرو بلخی
- الامام ماوردی (رخ مسند الامام اعظم صہ ۲۳۶)

(ف) امام محمد بن محمد خوارزمی (م ۶۷۵ ھ) نے ان سب کو یک جا کر کے جامع المسانید کے نام سے ب ترتیب فرمائی ہے جس کی کئی شروح ہیں۔ جن میں حافظ ابوالعدل قاسم بن قطلوبغا حنفی کی شرح مشہور و روف ہیں۔

امام اعظم کی مرتبہ مسند الامام اعظم کے نام سے کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ خصوصاً وہ نسخہ جو کہ سابقہ والی پال نواب شاہجہاں بیگم رحمۃ اللہ علیہا کے حکم سے ان ہی کے مصارف سے ۱۳۰۹ھ میں طبع ہوا تھا وہ قابل دید ..اسی لئے امام حنیفہ کا مرتبہ فقہ قرآن و حدیث ہی کا جوہر ہے۔ تمام ائمہ مجتہدین میں سے صرف آپ ہی کو اعظم کے لقب سے نوازا گیا۔

امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد ہے کہ جو مفتی میری فقہ کی دلیل نہ جانتا ہو وہ فتویٰ نہ دے۔ اسی طرح آپ

کا ارشاد ہے کہ:۔

" اگر میری فقہ سے بہتر کوئی فقہ یا مسئلہ یا بہتر دلیل سے مل جائے تو اسے قبول کر لیا جائے " (الجواہر المنیفہ ص۶)

وفات امام اعظم | چونکہ آپ زید بن علی بن حسین کو خلیفہ منصور کے مقابلہ میں حقدار خلافت سمجھتے تھے اس لئے منصور کے عامل ابن ہبیرہ نے آپ کو قاضی القضاۃ کی پیش کش کی کہ اس طرح اس خلافت کی تصدیق ہو جائے گی۔ مگر آپ نے انکار فرمایا۔ اس حق پرستی کے جرم میں آپ کو جیل میں ڈال کر زہر دلوا دیا جس سے آپ کی موت واقع ہو گئی۔ آپ کی وفات شوال ۱۵۰ھ کو ہوئی۔ سلطان محمد خوارزمی نے آپ کی قبر پر ایک عظیم الشان گنبد بنایا اور ایک مدرسہ بنام مدرسہ اعظمیہ جاری کیا جو آج تک بفضلہ تعالیٰ موجود ہے۔ آپ ہی کے نام سے وہاں کی آبادی کا نام محلہ اعظمیہ ہے۔

ناصر الدین قاچار، الپ ارسلان، نظام الملک وغیرہم مسلمان بادشاہوں نے آپ کے مزار پر حاضری دی اور فاتحہ خوانی کی۔ صرف آپ ہی کا مزار ہر زمانہ کے انقلاب میں محفوظ رہا حتیٰ کہ نادر شاہ ایرانی نے بھی بغداد پر حملہ کے وقت ایک فوجی دستہ مزار کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیا تھا۔

آپ کے جلیل القدر شاگرد امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ جیسے ائمہ کرام تھے۔ جن میں سے امام ابو یوسف، ہارون الرشید کے قاضی القضاۃ تھے۔ زمین کے مالیہ پر سب سے پہلے آپ ہی نے کتاب الخراج جیسی راہ نما کتاب تحریر فرمائی۔ امام محمد نے ایک ہزار کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں اسلامی جہاد اور دفاع پر جامع کتاب، کتاب السیر الکبیر بے مثال کتاب ہے۔

امام ابو حنیفہ کی فقہ کو جس قدر قبولیت حاصل ہوئی۔ اتنی دوسرے ائمہ کی فقہ کو حاصل نہیں ہوئی۔

ترک سلاطین جن کی حکومت مشرق وسطیٰ میں رہی۔ فقہ حنفی کے پیرو کار تھے۔ اسی طرح برصغیر پر حکمرانی کرنے والے تمام سلاطین۔ غوری۔ غزنی۔ خاندان غلاماں۔ تغلق اور مغلیہ سب کے سب فقہ حنفی کے مقلد تھے۔ سلطان محمود غزنوی نے فقہ میں کتاب التفرید مرتب کی۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں تاتارخانیہ فتاویٰ مرتب کیا گیا۔ سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی زیر سرپرستی فتاویٰ عالمگیری مرتب کیا گیا۔ جو دیار عرب میں فتاویٰ ہندیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور دلیل مانا جاتا ہے۔

ساتویں صدی ہجری میں شام کے حکمران الملک المعظم عیسیٰ ابن الملک العادل الایوبی (م ۶۲۴ھ) نے فقہا کا ایک بورڈ اس لئے مرتب کیا کہ امام ابو حنیفہؒ کا فقہی مسلک بادلیل جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ اس بورڈ نے التذکرہ نامی ایک کتاب دس جلدوں میں مرتب کی۔ جو سلطان کو زبانی یاد تھی۔ (کشف ج ۱۔ ص ۲۷۷)

آپ کا مرتبہ فقہ حنفی جس طرح نظام حکمرانی کے لئے موزوں ہے۔ اسی طرح روحانی اقدار کا بھی علمبردار ہے

چنانچہ برصغیر کے سارے اولیاء کرام حضرت علی ہجویری۔ سلطان ہند معین الدین اجمیری۔ کلیر میں رونق افروز علاؤ الدین صابر۔ پاک پتن کے خواجہ فرید وغیرہم قدس اللہ اسرارہم سب کے سب فقہ حنفی کے مقلد تھے۔ آج بھی ترکیہ۔ افغانستان۔ پاکستان۔ بھارت۔ اور بنگلہ دیش میں سب کے سب فقہ حنفی کے پیروکار ہیں۔ دوسرے ممالک میں بھی حنفی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

فائدہ۔ فقہ حنفی کا جامع اور مفید ترین شاہکار روایت اور درایت کا مجموعہ **ھدایہ** ہے جسے علامہ برہان الدین۔ نے تیرہ سال میں مرتب فرمایا۔ اور اثنا زمانہ نفلی روزہ رکھا۔ سوائے پانچ دنوں کے سارا سال روزہ ہوتا۔ اس کتاب کا ۱۷۹۱ء میں دو انگریز فاضلوں (جیمز اینڈرسن اور چارلس ہمٹن) نے انگریزی میں ترجمہ کیا مشہور انگریز مقرر اور مصنف اڈمنڈ برک نے اعتراف کیا ہے کہ:۔

"اس کتاب میں دماغ کی ایک بڑی طاقت نظر آتی ہے یہ ایسا فلسفہ قانون ہے جس میں بہت باریکیاں پائی جاتی ہیں"

فقہ حنفی اگرچہ کئی مفصل اور مبسوط کتب میں مدون کیا گیا ہے جن کی راہنمائی ہی سے فقہ کے تمام سے واقفیت ہو سکتی ہے مگر بعض علماء کرام نے اس کا خلاصہ بلکہ خلاصۃ الخلاصہ بھی مرتب فرمایا ہے تاکہ اس عظیم نظام اسلام سے عام لوگوں کو بھی کچھ نہ کچھ شناسائی ہو جائے۔ ان ہی میں سے جامعہ ازہر مصر کے مدرس عبدالرحمٰن خلف نے ایک مختصر کتابچہ الجوہرۃ اللطیفہ فی فقہ الامام ابی حنیفہ تالیف فرمایا جو ۱۳۳۵ھ کو مصر سے طبع ہوا جس کا ترجمہ اردو زبان میں خلاصہ فقہ حنفی کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔
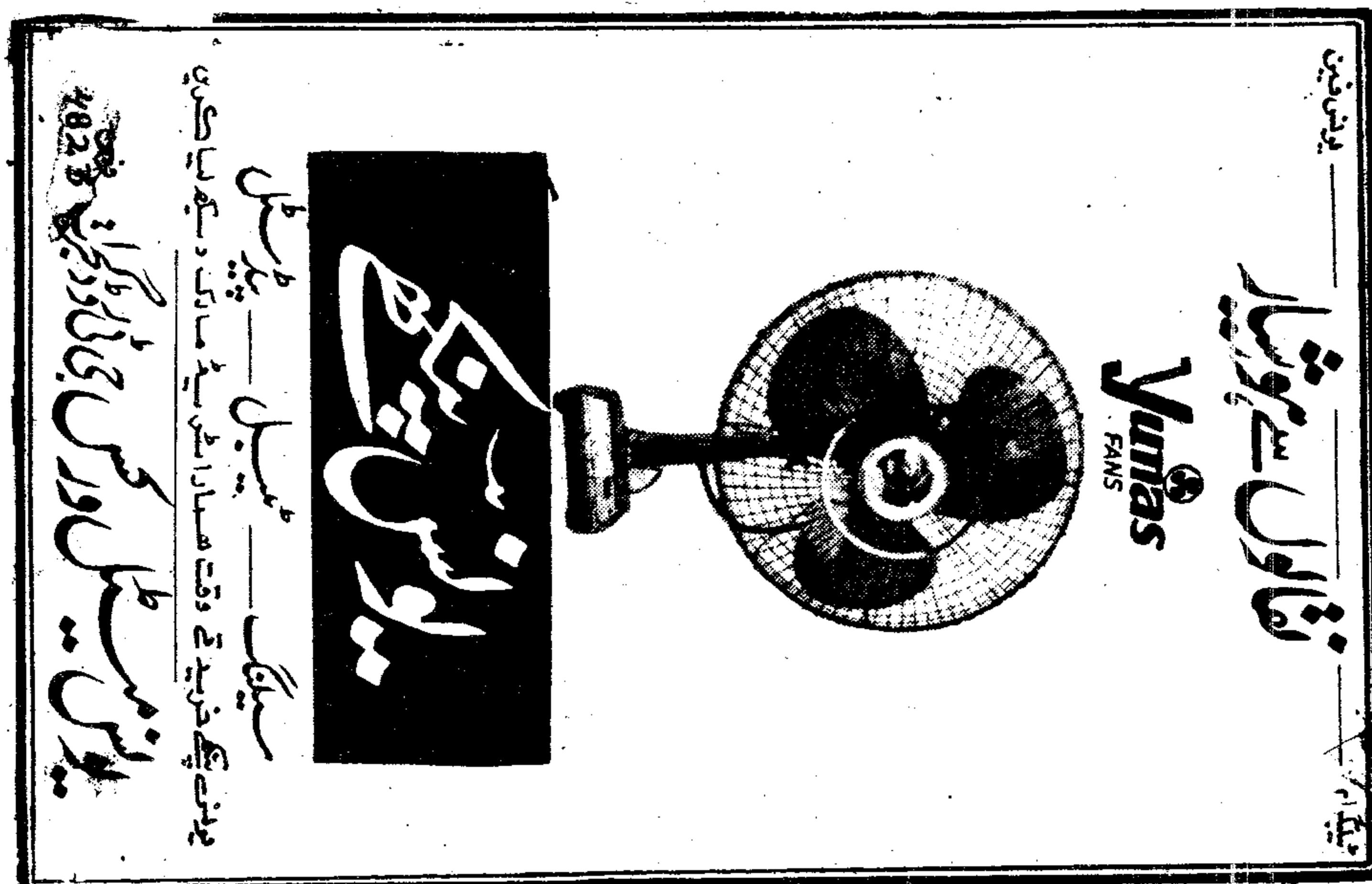
قارئین

افکار و تاثرات

دار العلوم آمد اور تاثرات : مولانا سید انظر شاہ کشمیری
قادیان سے اسرائیل اور 505 ویلیج : صلاح الدین ناصر
خمینی کے ایران میں اہل سنت : ایرانی اہل سنت طلبہ

مولانا انظر شاہ کشمیری کے تاثرات ومشاہدات

برادر مکرم ومحترم جناب مولانا سمیع الحق صاحب شکر اللہ
تحیہ مسنونہ!

سال گذشتہ پاکستان حاضری کے موقعہ پر آپ سے نیاز حاصل نہ ہونے کا قلق برابر محسوس کرتا رہا۔ معلوم ہوا تھا کہ آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے ہیں۔ اور واپسی بھی میری موجودگی میں اس وقت ہوئی جب میں مراجعت وطن کے لئے پا بہ رکاب تھا۔

"اکوڑہ خٹک" حاضری دی تھی اور حضرت المحترم شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب ادام اللہ ظلہ سے شرف نیاز حاصل ہوا۔ آپ کی درسگاہ کی زیارت کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ مزید حضرت مدظلہ کے خوان کرم سے زلہ ربائی نصیب ظلوم وجہول تھی۔

اپنے بزرگوں میں سے کسی اہم شخصیت کا یہ مقولہ کانوں میں پڑا ہوا ہے کہ "صاحبزادے بڑی مشکل سے کسی کے معتقد ہوا کرتے ہیں"، اور حضرت مظہر جان جاناں کا یہ ارشاد تو ان کے مکتوبات میں نظر سے گذرا کہ "نازک مزاجی لازم صاحب زادگیست"

لیکن کسی مبالغہ اور توریہ کے بغیر عرض کرتا ہوں کہ آپ کے والد ماجد مدظلہ سے پورے پاکستان میں ایک گہرا تاثر لیا۔ معصومیت، سادگی، عالمانہ شان، فقیرانہ جلال، شکوہ دین، آثار بے سروسامانی، جسیم زیبا پیرایہ اپنی مناسب جگہ پر موجود رہے۔ دولت کدہ کے اس حصہ میں دسترخوان بچھایا جس کی قدامت وکہنگی صدیوں قبل کے علماء ربانی کی یاد تازہ کرتے تھے۔ بصورت نقد تبرک بھی عنایت فرمایا جس کے لینے میں یہ حقیر متامل ہوا تو یہ جملہ بھی زبان مبارک پر آکر سامعہ میں رس گھومتا تھا۔ "جلوس ہو چکا"

خدا تعالیٰ مدظلہ کو عاجلہ و کاملہ ومستمرہ صحت عطا فرمائے۔ کہ قحط الرجال کی سیاہ چادر کائنات پر پھیلتی جا رہی ہے۔ اور پاکستان تو آثار کہنہ سے آئے دن خالی ہوا جاتا ہے۔ ان احوال میں حضرت مدظلہ کا وجود اقدس مغتنمات روزگار ہے۔ میری جانب سے حقیر سلام پیش فرما کر مزاج پرسی فرمائیں۔ اور عرض کریں کہ دورا صاد

مصروف دعائے صحت ہے ۔ واللہ سمیع علیم فانہ مجیب الدعوات ۔الحق برابر پہنچتا ہے جس کے لئے ممنون ہوں حضرت مہتمم صاحب کا آپ کے مجلہ پہ بہت حق ہے ۔اس کی ادائیگی ابھی نہیں ہو سکتی ۔کاش کہ مرحوم کے شایان شان آپ کوئی نمبر نکالتے ۔قطع نظر اختلافات مرحوم اس دور میں " دیوبندیت " کی علامت تھے ۔زندگی کے آخری مراحل میں صبر، سکوت، استغناء کا ناقابل شکست مظاہرہ فرما کر اسلاف کی مجسم تصویر اور ہماری تابناک ماضی کی متحرک یادگار بن گئے تھے ۔ویسے مجھے یقین ہے کہ زمانہ جوں جوں قدم آگے بڑھائے گا، غلط فہمیوں کے پردے چاک ہوں گے ۔اور محسوس ہوگا کہ حلقۂ دیوبند نے جو از شرق تا غرب پھیلا ہوا ہے گوہر شب چراغ کھو دیا ہے ۔وہ اپنی صورت و سیرت ، مکارم اخلاق ، بلند و بالا شخصیت کے اعتبار سے دیوبند ایسے عظیم مکتبۂ فکر کے سجے سجائے مدیر تھے ۔اور انہیں اس مکتبۂ فکر کی ترجمانی کے لئے خدا تعالیٰ نے منتخب فرمایا تھا۔ فرحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

خدا کرے کہ مزاج سامی بعافیت ہوں ۔ والسلام (انظر شاہ کشمیری دیوبند) ۴ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

قادیان سے اسرائیل تک اور راب SOS ویلیج ؟	آپ کی کتاب " قادیان سے اسرائیل تک " نظر سے گذری ۔اس پر جس قدر بھی داد دی جائے کم ہے ۔خدا کرے زور قلم اور زیادہ ۔جزاک اللہ !

قادیانی احباب بھی لاجواب ہیں ۔" مرزا محمود احمد صاحب " تک وہ آپ کی بات کی تائید کرتے ہیں ۔مرزا غلام احمد کو ان باتوں سے بری الذمہ قرار دیتے ہیں ۔اس قدر سنجیدہ تنقید اور تبصرہ اس تحریک کا آج تک کسی نے نہیں کیا ۔خدا آپ کو اس کا بدلہ دے ۔آمین

آپ اب اس کی دوسری جلد فوری طور پر شروع کر دیں ۔جس کا نام رکھیں " پاکستان سے بنگلہ دیش تک " اس کے بارے میں جو بھی معلومات آپ کو درکار ہوں اس بارے میں مشورہ اور ابتدائی معلومات مہیا کرنے کو تیار ہوں ۔تقسیم بنگال ۱۹۰۵ء اور اس کے بارے میں ہندوؤں کی ناراضگی اور مرزا صاحب کا الہام " بنگلہ کی دلجوئی " ہو گی ۔پھر ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کی منسوخی ۔مشرقی پاکستان کی وجہ سے بنگالی مسلمانوں کے فوائد ۔پاکستان کے قیام کے بعد سردار عبدالرب نشتر کے زمانہ میں پنجاب کے آئی سی ۔ایس (C.S) افسران کی مشرقی پاکستان میں Posting اور پھر بنگلہ دیش کا قیام ۔اور مکتی فوج میں قادیانی نوجوانوں کا عملی حصہ ۔شمالی بنگال میں " احمد نگر " کا قیام (ضلع دیناج پور) ٹریمون برہمن کے احمدیہ فسادات ۔ان سب امور پر سیر حاصل تنقید اور تبصرہ کی ضرورت ہے ۔سامراجی منصوبے ایک ایک کر کے آپ کے سامنے آتے جائیں گے ۔ذرا قلم و کتاب لے کر دیکھیں ۔

آپ کی اطلاع کے لئے تحریر ہے کہ فلسطین کا سابق مبلغ مولوی سلیم احمد آج کل کلکتہ (بھارت) میں مقیم ہے ۔

اور بہت بڑا بنگالی تاجر ہے۔ (گو کہ یہ خود پنجابی ہے) جماعت احمدیہ کلکتہ اور بنگال کی دیگر جماعتوں کے اختلافات۔ قیام پاکستان کے دور، مشرقی پاکستان کی جماعت احمدیہ کی بغاوت۔ مولوی رحمت علی اور مہاشہ محمد عمر کے خلاف مشرقی پاکستان کی جماعت کی بغاوت۔ مرکز ربوہ سے ان کے تعلقات اور قیام پاکستان کے اور بنگلہ دیش کے قیام تک ربوہ کے خلیفہ کے مظالم۔ مرزا محمود احمد کی بہار میں شادی، سارہ بیگم کی درد بھری داستان موت، اس پر لکھنے کو بہت مواد ہے۔

اگر آپ کو اس بارے میں دلچسپی ہو تو معلومات دینے کو تیار ہوں۔

ایک اور خاص امر کی طرف لکھتا ہوں :-

آپ ربوہ والوں اور اسرائیل کے تعلقات پر حیران ہیں۔ SOS چلڈرن ویلج تنظیم بھی تو اسرائیل میں کام کر رہی ہے۔ اور آپ کے NWFP (مانسہرہ) ڈوڈھیال کا SOS کا نیا گاؤں اس کی زندہ مثال ہے۔ کیا آپ کو اس کا علم ہے ؟ مسلمان بہت دیر سے بیدار ہوتا ہے۔ اس کی فراست نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہمارے معاشرے میں سامراج ہمیشہ معصوم شکل میں داخل ہوتا ہے۔ پہلے "مسیح موعود" کی شکل میں آئی تھی۔ اب SOS چلڈرن ویلج کی صورت میں اسلام آباد۔ راولپنڈی۔ لاہور، فیصل آباد۔ سرگودھا اور ملتان میں "اسرائیل" کے قیام کے لئے حکومت ان کو زمین دے چکی ہے۔ مفت بالکل مفت۔

زکوٰۃ فاؤنڈیشن والے اور سماجی بہبود والے انہیں لاکھوں روپے دے رہے ہیں۔ آپ کو "عجمی اسرائیل" ثانی اسکیم کے قیام پر مبارک باد دیتا ہوں۔ آخر ہمارے ملک میں اس کی ضرورت کیا ہے کہ بیرونی ایجنٹ پیدا کرنے کا ادارہ ضرور بنایا ہے ؟ فوری طور پر SOS ضلع مانسہرہ سے مزید معلومات حاصل کریں۔

(صلاح الدین ناصر)

خمینی کے ایران میں اہلسنت پر کیا گذر رہی ہے | ایرانی اہل سنت پر ظلم و ستم کے سلسلے میں چند دن قبل مشہد (ایران) سے ایک خط موصول ہوا۔ جس میں لکھا تھا کہ مشہد میں ہیفدہ شہر پور روڈ پر اہلسنت کی ایک مسجد زیر تعمیر تھی۔ خمینی حکومت نے مداخلت کر کے مسجد کی تعمیر کو روک دیا۔ اور کہا کہ اگر ہم آپ (اہلسنت) کو مسجد بنانے کی اجازت دے دیں تو مہدی اور پنج تن پاک کو کیا جواب دیں گے۔

اسی طرح ایک خط میں یہ لکھا تھا کہ ایرانی اہلسنت کے قائد مفکر اسلام علامہ احمد مفتی زادہ جو تقریباً دو سال سے خمینی حکومت کے نامعلوم جیل خانے میں موت و حیات کی کش مکش میں زندگی بسر کر رہا ہے جیل میں سخت بیمار ہے۔ گو جیل سے اب ہسپتال منتقل کر دیا گیا ہے مگر احباب اور اقارب کو ملاقات کی اجازت نہیں دی جاتی ——— اسی طرح کچھ عرصہ قبل ایرانی اہلسنت کے ایک بڑے عالم دین حضرت مولانا عبدالستار بزرگ زادہ کو خود ساختہ اتہام کی وجہ سے پہلے کوڑے لگانے کی سزا سنائی گئی۔

محمد امین مشتاق ایم اے فائنل شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ

عبداللہ ابن مسعودؓ کا شمار ابتدا میں اسلام قبول کرنے والے صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے۔ ان کی اپنی روایت ہے کہ میں چھٹا صحابی تھا۔ نام عبداللہ، کنیت ابوعبدالرحمٰن اور والدہ کا نام ام عبد تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ابن ام عبد کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ آپ کے قبیلے میں تعلیم و تربیت کا رواج عام تھا۔ نیز یہ قبیلہ شعر و شاعری میں بھی مشہور تھا۔ آپ کے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل وفات پا گئے اور والدہ ابھی زندہ تھیں۔

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضہ کے ساتھ کفار مکہ کے ستائے ہوئے شہر سے باہر نکلے دیکھا کہ عبداللہ بکریاں چرا رہے ہیں۔ آپ نے ان سے دودھ مانگا۔ تو عبداللہ نے جواب دیا کہ میں اپنے مالک کی مرضی کے بغیر دودھ نہیں دے سکتا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کیا تیری بکریوں میں کوئی ایسی بکری بھی ہے جو دودھ نہ دیتی ہو۔ انہوں نے دودھ نہ دینے والی بکری کی طرف اشارہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نہ دینے والی بکری کو تھپکی دی۔ اور دودھ نکالنا شروع کر دیا اس نے اتنا دودھ دیا کہ سب نے پیا۔ عبداللہ ابن مسعودؓ نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔

عبداللہ ابن مسعود رضہ دینی معاملے میں بڑے جوشیلے تھے۔ آپ ہجرت حبشہ کے وقت پہلے قافلے کے ساتھ حبشہ گئے۔ جب حضورؐ مدینہ ہجرت کر گئے تو آپ بھی مدینہ چلے گئے۔ آپ کا نام صاحب نعلین پڑ گیا۔ آپ نے دس سال مدینہ میں حضورؐ کی خدمت کی۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لئے جگاتے۔ پانی ڈال کر دیتے، وضو کراتے اور جوتے سیدھے کرتے۔ آپ حضورؐ کے گھر آتے جاتے۔ اجنبی کو پتہ نہ چلتا کہ آپ حضورؐ کے گھر کے فرد ہیں یا کوئی اور۔ دوسرے صحابہ کرامؓ کو آپ پر اسی لئے رشک تھا کہ آپ کو حضورؐ کی بہت زیادہ قربت حاصل تھی۔ اسی لئے بہت سی روایات آپ سے منسوب ہیں۔

معاذ ابن جبل رضہ سے حضورؐ نے آپ کی مواخات کرا دی۔ جو بڑے عالم اور فقیہہ تھے۔ یہ مواخات دونوں کے لئے بڑی سود مند رہی۔ ابن مسعود کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ ان کا زیادہ وقت مدینہ میں حضورؐ کے ساتھ گزرا۔ آپ نے مسجد نبویؐ کے قریب رہنے کے لئے مکان بنا لیا تھا اسی لئے زیادہ وقت مسجد نبویؐ میں

گذرتا تھا۔ آپ حضورؐ کی ایک ایک سنّت کو دیکھتے اور اس پر عمل کرتے۔ آپ بدریین میں سے تھے۔ اور ابوجہل کا سر آپ ہی نے کاٹ کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

ابن مسعودؓ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے زمانے میں راستوں کی حفاظت کرنے والے گیارہ دستوں میں سے ایک کی قیادت کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جنگ یرموک میں شرکت کی۔ ۲۵ ہجری میں آپ کو قاضی اور معلم بنا کر کوفہ بھیجا گیا جب کہ عمار بن یاسرؓ کوفہ کے گورنر بنے۔

حضرت عمر فاروق رضؓ نے اپنے خطوط میں لکھا کہ میں نے اپنے دل پر جبر کرکے عبداللہ ابن مسعودؓ کو کوفہ بھیجا ہے (اتنی محبت تھی) لہٰذا ان کی بات کو دل سے سننا۔ ابن مسعود رضؓ نے دس سال کوفہ میں قیام کیا۔ وہاں آپ نے اپنی محنت کوشش اور جد وجہد سے اہلِ علم کی ایک جماعت پیدا کر دی۔ حضرت علی رضؓ نے جب کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا تو ابن مسعود رضؓ کو دعا دی۔ کہ ابن مسعودؓ نے کوفہ میں اہلِ علم کی ایک جماعت پیدا کر دی ہے۔

امام شبلیؒ فرماتے ہیں کہ:-

"کوفہ میں آپ سے بڑا کوئی عالم نہ آیا تھا" آپ نے وہاں علوم وحکمت کے چشمے جاری کر دیے۔

سعد بن ابی وقاصؓ جب کوفہ کے گورنر بنے تو ان کا ابن مسعودؓ سے کچھ تنازعہ پیدا ہوگیا لہٰذا ابن مسعود رضؓ اپنے منصب سے مستعفی ہو کر مدینہ کو جا رہے تھے کہ راستے میں ایک جنازہ پڑا تھا اور پاس ایک عورت کھڑی تھی۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ عرض کی کہ میں صحابیِ رسولؐ ابوذر غفاری کی بیوی ہوں۔ اُن کا جنازہ پڑھا دو عبداللہ ابن مسعود رضؓ نے جنازہ پڑھایا۔

مدینہ آنے کے بعد آپ کی صحت اچھی نہ رہی۔ اور دو اڑھائی سال کے بعد وفات پا گئے۔ حضرت عثمانؓ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آپ کے تین بیٹے ابوعلبیدہ، عبدالرحمٰن اور عتبہ تھے۔

قرآن وحدیث کی خدمت | علم قرأت کا سلسلہ آپ تک پہنچتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ جس نے قرآن سیکھنا ہو وہ عبداللہ بن مسعود رضؓ سے سیکھے۔ معاذ ابن جبلؓ اور سالم رضؓ (ابوحذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام) ابن مسعود رضؓ کے شاگرد تھے (یہ وہی سالم ہیں جن کے بارے میں حضرت عمر رضؓ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں خلافت ان کے سپرد کر دیتا۔ چونکہ وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرنے والے تھے) کسی آیت کی شانِ نزول ابن مسعودؓ کے علم سے باہر نہ تھی۔ آپ نے قرآن پاک لکھ لیا تھا۔ آپ نے حضورؐ کے پیچھے نمازیں پڑھیں قرأت سنی۔ آپکا فرمان ہے کہ میں نے حضورؐ کے ساتھ قرآن کا خوب دَور کیا تھا۔

احادیث میں بہترین سند آپ کے شاگرد الاسودؒ۔ ان سے نخعی اور نخعی سے ثوریؒ کی روایت کردہ ہے۔ سفیان ثوری امیرالمومنین فی الحدیث کہلاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس بات کو ابن مسعود رضؓ کہا کرے وہ تسلیم کیا کرو۔ آپ نے ۸۴۸ احادیث نقل کی ہیں۔ حدیث بیان کرتے وقت لرزہ طاری ہو جاتا اور رنگ زرد پڑ جاتا۔

علم فقہ میں بھی آپ کا بڑا مقام ہے۔ آپ راوی بھی تھے اور مجتہد بھی۔ ابن مسعود رضؓ کے شاگرد علقمہؒ نے لکھا ہے کہ نخعی، حماد، ابو حنیفہ، امام شافعی، احمد بن حنبل، بخاری، مسلم اور ترمذی یہ تمام سلسلہ وار آپ کے شاگرد ہیں۔ گویا حنفی مسلک کی روایت ابن مسعودؓ سے ہے۔

عبداللہ ابن مسعود رضؓ کی وجہ سے ہی کوفہ علمی مرکز بنا۔ متعدد بدری صحابہ کوفہ گئے اس حلقہ مذہب نے فلسفی فرقہ پیدا کیا اور الحارث بن قیس، عبید بن قیس، عبید بن نفلہ، عامر بن شعلہ، ابو عبدالرحمٰن سلمی، زید بن وہب اور مسروق ایسے نامور حضرات پیدا ہوئے۔

ابن مسعود رضؓ نے قرآن، حدیث، فقہ اور قرأت گویا پورے دین میں مسلمانوں کی خدمت کی۔ وعظ مختصر مگر بہت جامع کرتے۔ شرک و بدعت کے مخالف تھے کوشش کرتے کہ کوئی کام خلاف شرع نہ ہو۔ ملنے والے کہتے ہیں کہ بڑے مہمان نواز، تواضع پسند، ملنسار، منکسر المزاج اور مخلص تھے۔ استغنا پایا جاتا تھا۔ رقت قلب موجود تھی۔ رونے سے آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ زہد کا غلبہ تھا۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن "مشاہیر اسلام" میں لکھتے ہیں کہ خوف خدا ہر وقت طاری رہتا جسمانی کمزوری کی وجہ سے نفلی روزے کم رکھتے مگر نوافل کثرت سے ادا کرتے۔" معاذ ابن جبلؓ فرماتے ہیں اس زمانے میں علم کے چار ستون تھے ابن مسعودؓ، سلیمان فارسیؓ، عبداللہ ابن سلامؓ اور حضرت ابو دردار۔ مزید فرماتے ہیں کہ یہ حضرات علم کا سرچشمہ تھے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے حصے میں یہ بھی آیا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہ رضؓ کے علوم کی نشر و اشاعت آپ کے شاگردوں سے ہوئی۔ (سید سلیمان ندوی) محدثین کا یہ قول ہے کہ حضرت علیؓ سے جو احادیث آگے چلی ہیں ان میں وہی مستند ہیں جن کو ابن مسعود یا ان کے شاگردوں نے روایت کیا ہے۔ وہ اسناد من الحدیث میں مقام رکھتے تھے فقہ حنفی کی بنیاد حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عمر رضؓ کے اقوال پر ہے۔ امام مسروقؒ کا قول ہے کہ تمام صحابہ کا علم چھ اشخاص کے پاس تھا۔ ابن مسعود، علی، عمر، زید بن ثابت، ابو دردار اور ابی بن کعب (رضی اللہ عنہما) ان چھ کا علم بھی حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کے پاس تھا۔

عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعودؓ علم سے بھری ہوئی مشک معلوم ہوتے ہیں۔ حضورؐ نے تقریباً یہی الفاظ فرمائے تھے ابو موسیٰ اشعری شیریں کلامی اور قرأت کیلئے مشہور تھے فرماتے تھے کہ ایک گھڑی ابن مسعودؓ کے پاس بیٹھتا ہوں تو مجھے ایک سالہ عبادت کا گمان ہوتا ہے۔ ابن مسعود خوشی سے اپنی غلطی پر رجوع کر لیا کرتے تھے حضرت عمر کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ظاہری وضع قطع سے بھی حضورؐ کی پابندی کرتے انہیں پورا یقین تھا کہ حضورؐ کے احکامات اور ارشادات میں دنیا و آخرت کی سعادتمندی، عزت و عظمت اور کامیابی و کامرانی کا راز مضمر ہے اسی لئے نیکی کے کاموں میں سبقت لیجانے کی کوشش کرتے۔ (سید سلیمان ندوی و شاہ معین الدین احمد ندوی)

مولانا عبدالقیوم حقانی

صدر پاکستان کی شیخ الحدیث سے ملاقات

۲۰ مارچ: حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اور مولانا سمیع الحق قومی اسمبلی اور سینٹ کے افتتاحی اجلاس اور پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں شرکت کے لئے راولپنڈی روانہ ہوئے۔

۲۳ مارچ۔ صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب سے اجلاس کے ایام میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ جب کہ دیگر ارکان اسمبلی سے گروپوں کی صورت میں ایوان صدر میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ حضرت مدظلہ نہیں جا سکے تھے۔ تو خود صدر پاکستان کو از راہ علم پروری احساس ہوا کہ حضرت کے پاس جایا جائے۔ چنانچہ شدید مصروفیات کے باوجود کئی بار خود چل کر آنے کی خواہش کا اظہار کیا اور ملٹری سیکرٹری سے وقت نکالنے کا کہتے رہے۔ ۲۳ مارچ جو سرکاری تقریبات پریڈ مارچ، تمغہ انعامات کی تقسیم اور ایوان صدر میں رات گئے تک ارکان پارلیمنٹ کو ضیافت اور شام کی نشست میں پارلیمنٹ سے خطاب کے شدید مصروفیات کا دن تھا گزرا تو رات پونے گیارہ بجے صدر محترم نے گورنمنٹ ہاسٹل میں آ کر حضرت مدظلہ سے ان کے کمرہ ۸۸ میں ملاقات کی۔ اور نہایت عجز و انکساری سے حضرت کی چارپائی پر ان کے ساتھ پائنتی بیٹھ کر نہایت عقیدت و محبت کا اظہار فرماتے رہے۔ یہ ملاقات جس میں مولانا سمیع الحق بھی موجود تھے تقریباً چالیس منٹ جاری رہی۔ اور متعدد دینی، علمی اور قومی و ملی مسائل زیر بحث آئے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے صدر پاکستان کو اسلامی نظام کے قیام کے سلسلہ میں ان کی عظیم ذمہ داریوں پر توجہ دلائی۔ اور دینی اقدامات میں ہر طرح تعاون اور دعاؤں کا یقین دلایا۔ اسلامی نظام کے سلسلہ میں وعدوں اور اقدامات کی جلد تکمیل پر حکیمانہ انداز میں زور دیا۔ دوران گفتگو قادیانیت، سودی نظام کے خاتمہ۔ اسلامی یونیورسٹی آرڈی ننس سے دینی مدارس بورڈ کا حصہ حذف کر دینے اور محمد اسلم قریشی کے قتل کی تفتیش کرنے والی ٹیم کا محاسبہ کرنے کا ذکر بھی ہوا۔

صدر پاکستان کی شیخ الحدیث مدظلہ سے یہ پہلی مفصل ملاقات تھی۔ دوسرے دن ریڈیو نے بے خبری سے یہ خبر نشر کی کہ صدر صاحب مولانا کی علالت کی وجہ سے عیادت کے لئے گئے تھے۔ جس سے تشویش پھیل گئی جب کہ صدر پاکستان نے محض ملاقات اور علم کی قدر افزائی کی وجہ سے خود حضرت کی قیام گاہ پر آنا

بابا حضرت نے اسمبلی کے اجلاس معمول کے مطابق نشستوں میں شرکت کی۔ اور کارروائی میں حصہ لیا۔ اجلاس ختم ہونے پر حضرت مدظلہ ۲۴ رمارچ کی شام کو اکوڑہ واپس ہوئے۔

○ **مولانا عبید اللہ انورؒ کی تعزیت** | دارالعلوم میں حضرت مولانا عبید اللہ انور قدس سرہ کی وفات کی اطلاع نہایت رنج وغم سے سنی گئی۔ موجود افراد نے ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن کئے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے اخبارات کو مفصل تعزیتی بیان جاری کیا۔ اور پوری ملت مسلمہ سے تعزیت کی۔ مولانا سمیع الحق جو بعض تقاریب میں شریک تھے۔ یہ اطلاع ۵ بجے شام دیر سے ملی۔ وہ فوراً لاہور روانہ ہو گئے۔ راولپنڈی میں معلوم ہوا کہ جنازہ ہو چکا ہے۔ تو دوسرے دن تعزیت کے لئے لاہور گئے۔ مولانا مرحوم کے مزار پر فاتحہ پڑھی مولانا عبید اللہ درخواستی سے ملے اور شیرانوالہ گیٹ لاہور میں حضرت مرحوم کے صاحبزادگان سے اظہار تعزیت کیا اور اسی دن شام کی فلائٹ سے واپسی ہوئی۔

○ **واردین و صادرین** | ۱۸ اپریل۔ تبلیغی جماعت کے مشہور بزرگ مولانا عبدالوہاب صاحب دارالعلوم تشریف لائے۔ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں دارالعلوم کے اساتذہ و طلبہ سے خطاب بھی فرمایا۔

○ ۲۶ اپریل۔ افغانستان قیادت کے مشہور رہنما مولانا محمد یونس خالص حقانی، دارالعلوم تشریف لائے۔ دفتر اہتمام میں مولانا سمیع الحق سے ملاقات کی۔ محاذ جنگ اور جہاد افغانستان سے متعلق اہم امور پر تبادلہ خیال کیا۔ نماز جمعہ حضرت شیخ الحدیث کی مسجد میں پڑھی۔ وہاں ان سے ملاقات کی اور افغان مجاہدین کی کامیابی کی دعائیں کرائیں۔

○ ۶ رمئی بروز پیر مولانا فضل الرحمن صاحب فاضل حقانیہ صاحبزادہ مولانا مفتی محمود صاحب مرحوم صبح بجے دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے گھر جا کر ملاقات کی۔ بعد میں دفتر اہتمام تشریف لائے۔ جہاں مولانا سمیع الحق سے ملاقات کی اور کافی دیر تک ان کے ساتھ رہے۔

○ **مولانا سمیع الحق کی مصروفیات** | ۱۵ اپریل کو مولانا سمیع الحق مہمند شب قدر کے بعض فضلاء حقانیہ کی دعوت پر دینی تقریبات میں شرکت کے لئے گئے۔ اس دوران آپ نے مشہور مجاہد حضرت حاجی صاحب ترنگزئی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے مہمند ایجنسی میں واقع ان کے دور افتادہ پہاڑی مقام کا بھی سفر کیا۔ حضرت صاحب زادگان و متعلقین سے وہاں ملاقات کی۔ اور بعد از ظہر واپسی میں شیخان نزد شب قدر میں مولانا لطف الرحمان فاضل حقانیہ کے درس قرآن کی اختتامی تقریب میں شرکت کی۔ اس سفر میں مولانا عبداللہ کاکاخیل مولانا عبدالبصیر شاہ حقانی بھی ساتھ تھے۔ ۱۱ رمئی کو آپ نے قاضی خلیل احمد صاحب خطیب مانسہرہ کی دعوت پر ان کے مدرسہ شہیدیہ بالاکوٹ میں شرکت کی۔ عرصہ سے بالاکوٹ جانے کی خواہش تھی۔ دوسرے دن رات

کو امام کبیر سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کے مدفن کے قریب واقعہ جلسہ گاہ میں اجلاس سے خطاب کیا
۱۳ر کی صبح امام المجاہدین شاہ اسماعیل شہید کے مزار پر فاتحہ خوانی کی۔ واپسی میں رات مظفر آباد در آزاد
کشمیر ، قیام کیا اور ۱۴ر کو واپس ہو گئے۔

○ **زیر تربیت افسران کا پروگرام** | رورل اکیڈمی برائے دیہی ترقی پشاور کے زیر اہتمام حسب
معمول اس سال بھی ملک بھر سے شریک ہونے والے ڈویژن اور صوبائی سطح کے چھتیس [۳۶] آفیسرز کا ایک
وفد دورہ کے تربیتی پروگرام پر دارالعلوم حقانیہ تشریف لایا۔ وفد کے شرکا نے دونوں روز دارالحدیث میں
طلبہ دورۂ حدیث کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے درس حدیث میں شریک ہوتے۔ حضرت مولانا قاضی
محمد زاہد الحسینی صاحب نے (اٹک) مہمان استاد کے طور پر انہیں حقوق و فرائض کے موضوع پر لیکچر دیا۔ ان کے علاوہ
دارالعلوم کے اساتذہ میں مولانا سمیع الحق نے " ملکی سیاست اور دین کے تقاضے " مفتی غلام الرحمٰن صاحب
نے اسلامی اقتصادیات (خصوصاً مسئلہ مزارعت) احقر عبدالقیوم حقانی نے اسلام کا نظام خلافت
اور نفاذ اسلام میں عملی ترجیحات کے موضوعات پر لیکچرز دیئے۔ ہر لیکچر کے بعد تمام شرکا کو ۲۰ سے ۴۵
منٹ تک موضوع سے متعلق بھی اور جنرل معلومات سے متعلق بھی ، سوالات کا وقفہ دیا جاتا۔
اساتذۂ دارالعلوم کے جامع اور تسلی بخش جوابات سے شرکا حد درجہ متاثر اور محظوظ ہوئے۔ اور
آخری نشست میں اکیڈمی کے چیئرمین نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا۔

" دارالعلوم حقانیہ میں آکر ، اور دارالعلوم کے اساتذہ سے مل کر ہمیں پہلی بار یہ معلوم ہوا کہ علماء ، قاضی
بھی ہیں اور مفتی بھی - جج بھی ہیں اور وکیل بھی ۔ مشفق استاد بھی اور محسن مربی بھی - آقا بھی ہیں اور خادم بھی ۔ سیاست
دان بھی ہیں اور قانون دان بھی - قائد بھی ہیں اور رہنما بھی ۔ علمی اور تدریسی مشاغل میں استغراق کے باوجود حالات
حاضرہ سے باخبر بھی - اور میں بلا خوف مدح و مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ دارالعلوم میں ہمارے جو دو دن گذرے ۔ مجھے تو
ایسا محسوس ہوا ، جیسے فرشتوں کی مجلسیں نصیب ہوئی ہیں "

○ **سالانہ امتحانات** | ۲۰ر اپریل ۔ دارالعلوم کے سالانہ تحریری و تقریری امتحانات شروع ہوئے اور دو ہفتے
تک جاری رہے ۔ تحریری امتحانات کے لئے مسجد اور دارالحدیث امتحان ہال قرار پائے ۔ دارالعلوم کے اساتذہ
و منتظمین اور وفاق کے تحت امتحانات میں حصہ لینے والے طلبہ کے لئے کوہاٹ اور کراچی سے وفاق کے مقرر کردہ نگران حضرات
امتحانات کی نگرانی کرتے رہے ۔ جب کہ تقریری امتحانات ، دارالعلوم کے اساتذہ نے اور اس کے بعد عام
تعطیل قرار پائی ۔

ترجمہ و تفسیر قرآن | سالِ رواں سے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے دارالعلوم میں تعطیلات رمضان

کے ایام میں بھی شعبۂ ترجمہ و تفسیر قرآن کی باقاعدہ منظوری دے دی ہے جسے دارالعلوم کے دو اساتذہ مولانا مفتی غلام الرحمٰن اور احقر عبدالقیوم حقانی پڑھا رہے ہیں۔ تعطیلات میں طلبۂ دارالحفظ والتجوید کے علاوہ شرکاء ترجمۂ قرآن کے قیام و طعام اور دیگر ضروریات کی کفالت دارالعلوم کر رہا ہے۔ باقاعدہ درس تفسیر و ترجمہ جاری ہے جس کی وجہ سے دارالعلوم میں طلبہ کی رونق کچھ نہ کچھ موجود ہے۔

ختم بخاری و سندات حفظ کی تقریب | ۲۱ اپریل۔ بعد العصر دارالعلوم حقانیہ کی وسیع مسجد میں ختم بخاری کی تقریب منعقد ہوئی۔ بغیر کسی پیشگی دعوت یا باضابطہ اطلاع کے علاقہ بھر سے مخلصین اور دارالعلوم سے وابستگان کا ایک جم غفیر پہنچ گیا۔ مسجد میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ حضرت شیخ مدظلہ نے بخاری شریف کی آخری حدیث پڑھائی، مختصر خطاب کے بعد حضرت مدظلہ کی دعا پر یہ تقریب نماز مغرب سے قدرے قبل اختتام پذیر ہوئی جبکہ اس سے قبل دارالحفظ والتجوید کے طلبہ نے اپنے اساتذہ کی نگرانی میں اپنی سالانہ تربیتی اور اخلاقی تعلیم کا مظاہرہ کیا۔ چھوٹے اور بے زبان اور معصوم بچوں نے شب و روز کی دعائیں، اذکار، علم تجوید سے متعلق سوال و جواب کے علاوہ روزمرہ کے مختلف موضوعات پر اصلاحی، سادہ اور اثر انگیز تقریریں کیں۔ حاضرین و سامعین عش عش کر اٹھے۔ حسن اتفاق سے اس تقریب میں مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہ کے صاحبزادہ مولانا فداء الرحمٰن درخواستی (کراچی) بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اور دیگر اساتذہ اور مولانا درخواستی نے اپنے ہاتھوں سے حفظ کرنے والے سترہ بچوں کی دستار بندی کی اور انعامات تقسیم فرمائے۔

○ ۳۱ مارچ۔ علاقہ بھر سے آنے والے وفود اور مخلصین و محبین کی خواہش پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے انتخابات میں کامیابی کے سلسلے میں مولانا سمیع الحق صاحب نے تحصیل نوشہرہ کے تمام حلقہ میں شکریے کے دوروں کا پروگرام رکھا۔ روزانہ نو نو اور بعض ایام میں گیارہ گیارہ جلسوں سے خطاب کیا۔ ہر جگہ استقبال اور خوش آمدید کے مناظر، انتخابی مہم سے بھی سہ چند بڑھ کر تھے۔ ہر جگہ یہی کہا گیا کہ آپ کے ہمارے پاس شکریہ کے لئے آنے کے بجائے ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے انتخابات میں حصہ لے کر ہماری قیمتی رائے اور ووٹ کو ضائع ہونے سے بچا لیا۔ بعض ایسے شہر جہاں انتخابی مہم میں نہ جایا جا سکا۔ تب بھی انہوں نے سو فیصد اپنا ووٹ حضرت مدظلہ کے حق میں استعمال کیا۔ اب وہاں کے مخلصین نے مجبور کر کے اپنے شہر آنے کی دعوت دی۔ تو شہر سے باہر نہایت دھوم دھام تزک و احتشام اور فقید المثال استقبال کیا اور دل و جان سے دیدہ و دل بچھا ور کیا۔ ہر جگہ عقیدتمندی کا ایسا ہی سیلاب تھا کہ خلقت تھی کہ ٹوٹی پڑتی۔

ان پروگراموں میں بھی احقر اور علاقہ کے اکابر علماء ان کے ہمراہ رہے۔ جہاں مولانا سمیع الحق خود نہ پہنچ سکے وہاں حافظ مولانا انوار الحق صاحب نے مفتی غلام الرحمٰن صاحب کی معیت میں شکریے کے دورے کئے۔

○ ۱۵ مارچ ۔ سابق وزیر اطلاعات و نشریات جناب راجہ ظفر الحق صاحب دارالعلوم تشریف لائے ۔ نماز مغرب دارالعلوم کی مسجد میں پڑھی ۔ پھر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے گھر جا کر ان سے ملاقات کی ۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے فرمایا ۔ راجہ صاحب ! قوم میں قدر شناسی کا فقدان ہے ۔ آپ نے اپنے دورِ وزارت میں مثالی کام کئے ہیں ختم نبوت کے سلسلہ میں آپ کا کردار تاریخی اور مثالی تھا ۔

○ راجہ صاحب نے عرض کیا ! حضرت ! یہ سب آپ کی دعائیں تھیں ۔ اور یہ سارا کام آپ کی دعاؤں سے ہوتا رہا ۔ مگر حالیہ انتخابات میں مرزائیوں نے میرے خلاف دل کھول کر رقم تقسیم کی ۔ اور میری شکست کے لئے اندرون خانہ کئی سازشیں بنائیں ۔ میرے انتخابات میں رہ جانے پر کئی سرکردہ اور ذمہ دار مرزائیوں کے میرے نام خطوط آئے ۔ انہوں نے مجھے لکھا ۔ کہ " انتخابات میں ناکامی کے بعد اب تو تمہیں بھی یقین ہو گیا ہو گا کہ جو قدم تم نے اٹھایا تھا وہ سراسر غلط تھا "

تاہم آپ نے میری دورِ وزارت کی جن خوبیوں کا تذکرہ کیا ہے ، یہ سب کچھ آپ کی دعاؤں کے صدقہ اور مولانا سمیع الحق صاحب کی رفاقت ، مفید راہنمائی اور گراں قدر مشوروں سے ہوا ہے ۔ گذشتہ تین سال کی رفاقت میں ہم نے ان سے بہت قومی و ملی فائدے حاصل کئے ۔ ان کے علمی مشوروں سے اہم اور مشکل امور میں آسانیاں پائیں ۔

بقیہ : عربی ادب

بخشے ۔ غور و فکر اور دلائل و براہین سے کام لینے کی دعوت دی ۔

قرآن مجید نے بتایا کہ ادب کا فریضہ یہ ہے کہ وہ طیبّات کو معاشرہ میں مقبول بنائے اور خبائث کے لئے معاشرہ کی فضا ناسازگار بنائے ۔ قرآن مجید نے ادب کو یاس و قنوط کے مہلک جراثیم سے نجات دلا کر اسے جہاد مسلسل اور حیات آفریں ، ربانیت کا داعی بنایا ۔ تنقید کے لئے بلند اصول دئے اور احسن اختیار کرنے میں کسی قسم کا تعصب نہ کرنے کے لئے تلقین کی ۔ اس نے مدح و ہجو کے لئے نئے پیمانے مقرر کئے اور اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِندَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ کا بلند ترین معیار عطا فرمایا ۔

قرآن مجید نے عربی زبان و ادب کو اس درجہ بلندی عطا کی کہ اس کے بعد جس زبان میں بھی کسی شکل سے عربی ادب پہنچا اس زبان کو بھی فکری و معنوی بلندیوں سے ہم کنار کر دیا ۔ آج دنیا کے ادب میں وحدتِ عالم ، وحدتِ انسانیت ، آزادی اور اخلاق فاضلہ کی جو حوصلہ افزائی ہو رہی ہے وہ اسی قرآنی ادب کا نتیجہ ہے اور اگر آج انسانیت اپنی آنکھوں سے تعصبات کی عینکیں اتارنے کی کوشش کر رہی ہے تو یہ سب اسی قرآنی ادب کے فیض کا ثمرہ ہے ۔

" تاریخ ادب عربی کا سرسری مطالعہ کرنے والا بھی ادب میں قرآنی انقلاب کی تاثیر کو پوری شدت اور قوت سے محسوس کرے گا ۔

مطبوعات مؤتمر المصنّفین

دعواتِ حق

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے خطبات اور ارشادات کا عظیم الشان مجموعہ دین وشریعت اخلاق ومعاشرت علم وعمل۔ عروج وزوال۔ نبوّت ورسالت۔ شریعت و طریقت۔ ہر پہلو پر حاوی کتاب صفحات ۶۷۵، بہترین ڈائی دار جلد، قیمت ۴۵/- روپے ——— جلد دوم ۴۰/- روپے

قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ

قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے دینی وملّی مسائل پر قراردادیں، مباحث، تقاریر اور قراردادوں پر ارکان کا ردِ عمل، آئین کو اسلامی اور جمہوری بنانے کی جدوجہد کی مدلّل اور مستند داستان، ایک سیاسی و آئینی دستاویز، ایک اعمالنامہ جس سے وکلاء سیاستدان، علماء اور سیاسی جماعتیں بے نیاز نہیں ہوسکتیں، صفحات ۴۰۰، قیمت پندرہ روپے۔

عبادات وعبدیت

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی تقاریر کا مجموعہ، بندگی اور اسکے آداب، عبادات کی حکمتیں اور اعمال صالحہ کی برکات، اللہ کی عظمت ومحبوبیت اور دیگر موضوعات پر عمدہ کتاب۔ صفحات ۸۸، قیمت ۳/- روپے

مسئلہ خلافت وشہادت

مسئلہ خلافت وشہادت حسین، تعدیل صحابہؓ وغیرہ پر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی مبسوط تقریر مولانا سمیع الحق کی تعلیقات وحواشی کے ساتھ صفحات ۱۰۴ قیمت ۳/- روپے۔

اسلام اور عصرِ حاضر

از مولانا سمیع الحق مدیر الحق

عصرِ حاضر کے تمدنی، معاشی، اخلاقی، سائنسی، آئینی، تعلیمی اور معاشرتی مسائل میں اسلام کا مؤقف، عصرِ حاضر کے علمی ودینی فتنوں اور فرق باطلہ کا تعاقب، بیسویں صدی کے کارزار حق و باطل میں اسلام کی بالادستی کی ایک ایمان افروز جھلک، مغربی تہذیب کا تجزیہ پیش لفظ از مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ صفحات ۴۴۰ جلد سنہری ڈائی دار قیمت ۴۰/-

قرآنِ حکیم اور تعمیرِ اخلاق

از مولانا سمیع الحق مدیر الحق

تعمیرِ اخلاق، اصلاحِ معاشرہ، تطہیرِ نفس میں قرآنِ حکیم کا معتدلانہ انداز اور حکیمانہ طرزِ عمل، عبادات کا اخلاقی پہلو۔ قیمت ۳/- روپے۔

الحاوی علی مشکلات الطحاوی

شیخ الحدیث مولانا زکریا سہارنپوری
شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمان

کاملپوری رح اور مظاہر العلوم کے دیگر ممتاز محدثین کے مشترکہ غور وفکر کا نتیجہ طحاوی شریف کی تقریباً ایک سو مشکلات کا حل۔ قیمت بارہ روپے۔

ہدایۃ القاری شرح صحیح البخاری (عربی)

از قلم حضرۃ مولانا محمد فرید صاحب مدرس ومفتی دارالعلوم حقانیہ،

بخاری شریف کی قدیم مبسوط شروح اور اماثل اکابر سے زیر بحث مسئلہ پر مباحث کا خلاصہ، مختصر اور جامع شرح جلد اوّل صحیح بخاری کی کتاب العلم پر مشتمل ہے۔

برکۃ المغازی (عربی)

از مولانا محمد حسن جان صاحب استاذ دارالعلوم حقانیہ ـــ بخاری شریف کی کتاب الجہاد والمغازی اور حدیث وصیۃ زبیرؓ کے متعلق تحقیقی مباحث۔ قیمت چار روپے۔

اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی غیر مطبوعہ مبسوط تقریر۔ انسان کی حقیقی کامیابی کا معیار اللہ کی نظر میں کیا ہے۔ مرتبہ مولانا سمیع الحق قیمت ایک روپیہ۔

ارشاداتِ حکیم الاسلام

از علامہ قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

دارالعلوم حقانیہ میں معجزات انبیاء، دارالعلوم دیوبند کی روحانی عظمت اور مقام پر حضرت قاری صاحب مدظلہ کی حکیمانہ اور عارفانہ تقریریں۔ قیمت ۵۰/۱ روپیہ۔

مؤتمر المصنّفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور۔ پاکستان

REGD-NO.P-90

AL-HAQ